ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

اگست ۱۹۸۹ء

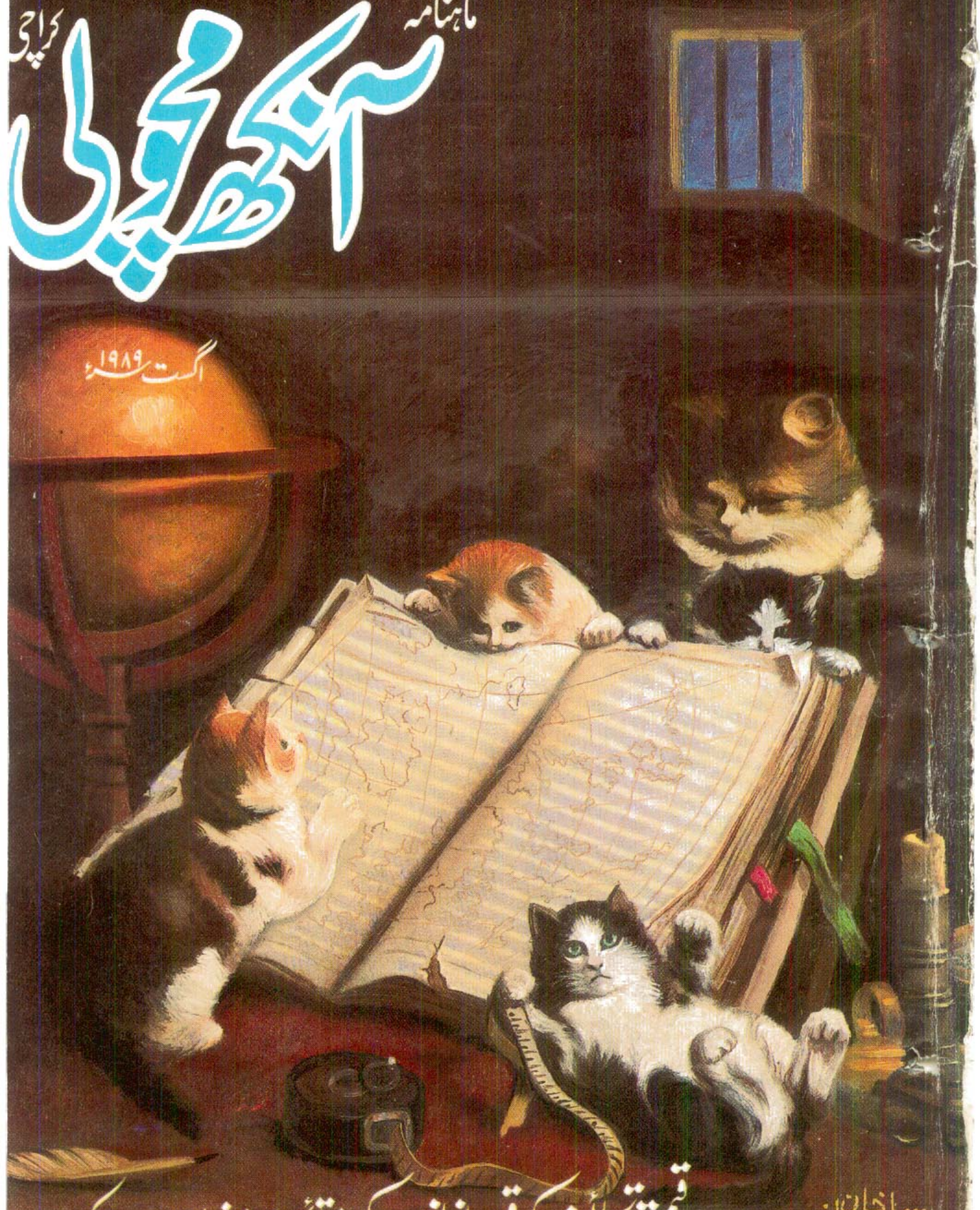

قیمتی تحائف کی قرعہ اندازی کے نتائج صفحہ نمبر ۱۳ پر دیکھیے

آپ ایک بار پی کر تو دیکھیں !
TAPAL
TAPAL TEA
DANEDAR
Leaf Blend
Net weight when packed
200 grams
ٹپال چائے
دانےدار
لیف بلینڈ
فوری تیار، زیادہ خوشبودار، گہری رنگت، یادگار لذّت، ایک پیالی میں گھنٹوں تسکین
MASS

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

جلد ۴ شمارہ ۲ اگست ۱۹۸۹ء محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

مُدیرِ اعلیٰ: ظفر محمود شیخ

مُدیرِ مسئول: تجمّل حسین چشتی

مُشاورت: مُشفق خواجہ، امجد اسلام امجدؔ

مُدیرانِ اعزازی: طاہر مسعود، محمد سلیم مغل

مجلسِ ادارت: شاہ نواز فاروقی، سیّد خورشید عالم

خطّاطی: عارف سعید

ABC آڈٹ بیورو سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

فون نمبر ---- 299178

قیمت ۶؍ روپے

۴؍ درہم
۴ ریال

زرِ سالانہ کیلئے خصوصی بچت کا صفحہ دیکھیں

- ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔
- ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن وحدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔
- ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

ناشر: ظفر محمود شیخ   طابع: زاہد علی   مَطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

خط وکتابت کا پتا: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۱۲۔ڈی، نورس روڈ، سائٹ کراچی

آنکھ مچولی

نئی آب و تاب کے ساتھ

آپ کا پیارا آنکھ مچولی آئندہ ماہ سے نئی دلچسپ اور رنگا رنگ تبدیلیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آرہا ہے

چند اہم تبدیلیوں کی جھلکیاں

(۱) ——— ۱۵۰ دھنک رنگ صفحات۔

(۲) ——— نئے دلچسپ انعامی سلسلے۔

(۳) ——— ایسا عجیب و غریب ناول جسے آپ سب مکمل کریں گے۔

(۴) ——— رنگین صفحات پہلے سے زیادہ۔

(۵) ——— سائنس کی دنیا کی دلچسپ اور معلوماتی سیر۔

(۶) ——— پہلے سے زیادہ دلکش تزئین و آرائش

آئندہ ماہ سے ——— ہر شمارہ ——— خاص شمارہ

خاص شمارے کی قیمت صرف (۱۰) روپے

حُسنِ ترتیب

٦ حمد حفیظ جالندھری

٧ ماہِ رواں کی پہلی بات ظفر محمود شیخ

٨ نتائج مقابلۂ تحریر آپ بیتی

٩ ڈاکیہ ڈاک لایا منتخب خطوط اور ان کے جواب

١٣ نتائج قرعہ اندازی، قیمتی تحائف

١٧ آزادی نظم شبیر بیگ نازؔ

١٨ موت سے آنکھ ملانے والے صباحت شکیل

٢١ خوشی کا زہر متین الرحمٰن مرتضیٰ

٢٩ میں بہت سخت آدمی ہوں سیّد خورشید عالم

٣٣ آسمانی بجلی شین فاروقی

٣٦ خوفناک اژدہا ع د ج عبدالرحمٰن

٣٩ شاعرانہ روشنائی شاہنواز فاروقی

٤٧ کھٹے میٹھے منتخب لطائف

٥١ ایک طالب علم کی کہانی پروفیسر حشمت اللہ لودھی

٥٤ ساون کا بادل نظم شاہنواز فاروقی

٥٥ پیپٹ کے پپّا کی باتیں انٹرویو محمد سلیم مُغل

٦١ جستجو شرط ہے ماہانہ معلوماتی مقابلہ اُسامہ بن سلیم

٦٦ کتاب سچ بولتی ہے طاہر مسعود

٧١ سائنس انکوائری نیّر ابدالی

٧٤ سمندروں کا مشاعرہ نظم محسن احسان

٧٩ شاباش میرے شیر نعیم بلوچ

٨٧ دریائے نربدا کا کالا بھوت ترجمہ امجد محمود امجد

٩٥ بین کی کہانی فرحین نگار

٩٧ گُنی چُنی معلومات عقیل عباس جعفری

١٠١ آئینے دھوکہ دیتے ہیں صالح ارشاد

١٠٣ ننّھی نگارشات ننھے قلم کاروں کی تحریریں

١١٥ سالگرہ کے ساتھی قلمی دوستی

١١٨ امّی ابّو کا صفحہ اِرَم رمیصا

دنیا کا نگہبان

حفیظ جالندھری

سبھی کچھ خدا نے بنایا ہے بھائی
ہے اُس کی نگاہوں میں ساری خدائی

یہ خُوش رنگ پھُول اور پھل پیارے پیارے
یہ دِن اور سُورج ۔ یہ رات اور تارے

یہ آگ اور مٹّی ۔ ہوا اور پانی
سبھی کچھ خدا ہی کی ہے مہربانی

کوئی چیز اندر رکھی ہے کہ باہر
سمندر کی تہہ میں ہے یا ہے زمیں پر

ہر اک شے پہ میرے خدا کی نظر ہے
وہ سب جانتا ہے اُسے سب خبر ہے

میرے دِل کی باتوں کو وہ جانتا ہے
ارادوں کو بھی خُوب پہچانتا ہے

اُجالا ہو یا چھا رہا ہو اندھیرا
ہے اُس کی نظر میں ہر اِک کام میرا

نگہبان انسان ۔ حیوان کا ہے
وہ جاں دار بے جان سب کا خدا ہے

وہ سب کچھ بُرا اور بھلا دیکھتا ہے
خدا دیکھتا ہے خدا دیکھتا ہے

ماہِ رواں کی پہلی بات

آج سے ٹھیک ۴۲ ، سال پہلے ہم نے اپنا وطن بنایا تھا اور آزاد ہوئے تھے ۔ شکر اللہ کا کہ ہم آج بھی آزاد ہیں ۔ بحیثیت مسلمان ، بحیثیتِ پاکستانی اور بحیثیتِ انسان ۔ لیکن کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ ہم آزاد ہیں تو کس طرح ۔

ہم آزاد ہیں قانون توڑنے میں
ہم آزاد ہیں ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگنے میں
ہم آزاد ہیں زبان اور نسل کے نام پر نفرت اور تعصّب پھیلانے میں
ہم آزاد ہیں حق دار کا حق مارنے اور ناانصافی کرنے میں
ہم آزاد ہیں اپنی ذات کے لیے ملک اور معاشرے کو نقصان پہنچانے میں
کیا ہم واقعی آزاد ہیں ؟

یا ہم اپنے مفادات کے غلام ہیں ۔ اپنے ذاتی ، سیاسی اور معاشی مفادات کے غلام ۔ اگر ہم غلام نہ ہوتے تو اپنی آزادی کی قدر کرتے کہ یہ روز روز اور بار بار نہیں ملا کرتی ۔

آزادی اور ذمّہ داری لازم و ملزوم ہیں ۔ جس طرح کسی ایسی گاڑی کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا جس میں پہیّے تو لگے ہوں لیکن بریک موجود نہ ہو ۔ اسی طرح ایسی آزادی بھی بیکار ہے جس کا استعمال احساسِ ذمّہ داری کے ساتھ نہ کیا جائے ۔ کیونکہ ایسی آزادی کی عمر لمبی نہیں ہوتی ۔ ایسی آزادی تو خود آزادی کو تباہ و برباد کر دیتی ہے ۔

اگر آپ نے پاکستان کی ۴۲ ، برسوں کی تاریخ پڑھی ہے تو آپ خوب واقف ہوں گے کہ ہم نے بحیثیت قوم پایا کم اور کھویا زیادہ ہے ۔ اتنا زیادہ کہ آدھا ملک کھو چکے ہیں اور باقی جو کچھ بچا ہے اس کی حالت بھی سب کے سامنے ہے ۔ ان برسوں میں ممکن ہے شہریوں نے اپنی محنت سے اپنے ذاتی حالات بہتر بنا لیے ہوں ، لیکن شہریوں کے ایک طبقے کی خوشحالی سے ملک کے حالات تو تبدیل نہیں ہوجاتے ۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کو بطورِ ورثہ نئی نسل کو کس حالت میں منتقل کرتے ہیں ۔ ہم اپنے پیچھے کون سی تابندہ تہذیبی روایات قائم کر رہے ہیں اور ہمارے اردگرد کا ماحول کیا واقعی ایسا ہے جس میں آگے چل کر ہماری نسلیں ایک آسودہ اور مطمئن زندگی گزار سکیں گی ؟ ان سوالات کی روشنی میں جب ہم آج کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مستقبل کوئی بہت روشن دکھائی نہیں دیتا ۔ صوبہ سندھ اور خاص طور پر کراچی اور حیدرآباد میں پچھلے چند برسوں سے

لاقانونیت اور نسل کُشی کا جو بے دریغ سلسلہ چل نکلا ہے اُس نے ذہنوں کا سکون لُوٹ لیا ہے۔ زندگی غیر محفوظ ہے، تعلیمی ادارے قتل گاہ بن چکے ہیں۔ سڑکوں پر راہ چلتے قتل کر دیا جانا عام سی بات ہوگئی ہے۔ حکومت بے بس، انتظامیہ بے حس اور شہری مضطرب ہیں۔ مرنے اور قتل ہونے والے زیادہ تر نئی نسل ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لیے اس صورتِ حال پر ہماری تشویش بھی ایک معنی رکھتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب نتیجہ ہے آزادی کو غیر ذمّہ داری سے استعمال کرنے کا۔ آزادی کی حفاظت کی سب سے پہلی ذمّہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد قانون کا فریضہ ہے کہ آزادی کا تحفظ کرے۔ اور اب آزادی کا مطلب ہے زندہ رہنے کی آزادی تہذیب و شائستگی کے ساتھ جینے کی آزادی۔ اسی میں نسلِ نو کی بقا اور ترقی کا انحصار ہے۔ اور یہ ذمّہ داری بہرحال حکومت ہی کی ہے ... خواہ حکومت اسے اپنی ذمّہ داری سمجھے یا نہ سمجھے!

آپ کا دوست
ظفر محمود شیخ

نام بھی انعام بھی

آنکھ مچولی کے مقابلۂ تحریر میں ساتھیوں نے "سچی آپ بیتیاں" کے عنوان سے بہت سے واقعات اور کہانیاں بھیجیں لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ اعلان کرنا پڑ رہا ہے کہ زیادہ تر تحریریں غیر معیاری تھیں۔ اس کے باوجود ہم نے تین تحریروں کا انتخاب کیا ہے جو دیگر دوسری نگارشات کے مقابلے میں غنیمت تھیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ابھی ہمارے ساتھیوں کی عمر ہی کیا ہے۔ آپ بیتیاں تو بڑی عمر کے لوگ لکھتے ہیں۔

۱۔	اچھی تقلید	سیّد کاشان جعفری (کراچی)	پہلا انعام
۲۔	حیرت انگیز	ڈاکٹر تسنیم شکیل احمد (پشاور)	خصوصی انعام
۳۔	جلد بازی	ایم شہزاد احمد (گجرات)	خصوصی انعام

انعام یافتگان سے درخواست ہے کہ وہ اپنے شناختی کارڈ کی نقل ارسال کر دیں اور ساتھ ہی ایک حلف نامہ بھی جس میں اس کی یقین دہانی کرائی جائے کہ ان کا مضمون (الف) طبع زاد ہے (ب) اس سے پہلے کبھی شائع نہیں ہوا۔

ولی محمد (لانڈھی کراچی)' شاھد سلیمان ملک (لاھور) برکت علی چانڈیو (لاڑکانہ) عبدالباسط (گلشن اقبال

کراچی) نوید احمد خانزادہ (حیدرآباد) خلیل الرحمٰن (سکھر) تبسم ظفر (؟) واجد محمود عباسی (راولپنڈی) زیب النساء

(ملیر کراچی) محمد فیصل (نئی کراچی) وحیدہ ناز فنیر (بنوں) سیّد اشتیاق احمد (ملیر کراچی) عبدالواحد (سعود آباد کراچی)

زاھد نسیم بابر (ملیر کراچی)

قہقہہ نمبر ۲ پسند آیا۔ تمام ہی مضامین دلچسپ اور معیاری تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ قہقہہ نمبر عید کے زمانے میں آیا۔ ہم لوگوں کے پیٹ ہنس ہنس کر اتنے دُکھ چکے ہیں کہ اب قربانی کا گوشت کیسے ہضم ہوگا۔ ساجد قمر کی کہانی "جب بجلی چلی جاتی ہے" حقیقت سے قریب تر تھی۔ واقعی بجلی جانے کے بعد گھر میں ایسے ہی تماشے ہوتے ہیں۔ یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ اگلے شمارے سے قیمت بڑھا دی جائے گی۔ خدارا قیمت بڑھاتے ہوئے ہم لوگوں کی جیبوں کا خیال کر لیا کریں۔ "قہقہہ نمبر" کا سرورق خوبصورت تھا۔ اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

● "قہقہہ نمبر ۲" آپ لوگوں کے اصرار پر شائع کیا گیا تھا۔ اگر واقعی بہت پسند آیا تو سمجھیے ہماری محنت کا صلہ مل گیا۔ ہم نے تو سُنا ہے زیادہ ہنسنے سے آدمی کی بھوک کھُل جاتی ہے۔ پھر تو آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ 'قہقہہ نمبر' بہت موقع سے منظرِ عام پر آیا۔ رسالے کی قیمت بڑھانے پر خفا نہ ہوں۔ قیمت بڑھے گی تو صفحات بھی بڑھا دیے جائیں گے۔ قیمت بڑھا کر ہمیں کون سی خوشی ہوتی ہے۔ کریں تو کیا۔ کاغذ کے دام ہی اتنے چڑھ گئے ہیں۔

محمد آصف رزّاق (لاھور) مدثر مرزا (ساھیوال) مکیش کرن (سکھر) نعمان احمد (لاھور)

'قہقہہ نمبر ۲' میں آپ نے "انمول تحفے بن مول" کے اشتہار میں ہم لوگوں سے جو گواہی مانگی ہے، وہ بالکل درست ہے۔

ڈاکیا ڈاک لایا

کیونکہ آپ نے چند ایک شماروں کے علاوہ باقی تمام شماروں کے ساتھ ہمیں تحائف دیے ہیں۔ چونکہ یہ ایک سچی گواہی ہے۔ اس لیے ہم گواہی دیتے ہیں کہ "آنکھ مچولی نے ہم سے پُرخلوص تعلق کی خاطر نت نئے تحائف دینے کی روایت ڈالی۔۔"

● بھئی یہ تو کمال ہی ہوگیا۔ ہم نے آپ لوگوں سے گواہی کب مانگی تھی۔ یہ تو بات کہنے کا ایک انداز تھا۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی مضمون اس طرح شروع ہو کہ "آپ یقین تو نہیں کریں گے لیکن یہ سچ ہے" اور آپ ناراض ہو کر جواب میں کہیں کہ "آپ نے کیسے فرض کر لیا کہ ہم یقین نہیں کریں گے" "مطمئن رہیے۔ ہمیں آپ کی گواہی کی نہیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

ناهد حمید صدیقی (گوجرانوالہ) ابن مفتح دل (سردان) آنکھ مچولی کے قہقہہ نمبر میں نائلہ صدیقی صاحبہ کی تحریر "آئیے کرکٹ کھیلیں" اس ماہ کے ایک اور رسالے میں بھی شائع ہوئی ہے۔ ہم لوگ مصنفہ پر نقل کرنے کا الزام تو نہیں لگا سکتے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی تحریر بار بار پڑھوا کر ہمیں بور کیا جائے۔

● آپ لوگوں کا اعتراض بالکل بجا ہے لیکن اس معاملے میں ادارہ بالکل بے قصور ہے۔ نائلہ صدیقی صاحبہ کا مضمون چھپنے کے بعد ہمیں ان کا خط موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں "ایک بات بتاتے ہوئے شرمندگی اور غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ یہی مضمون میں نے لاہور کے ایک رسالے میں بھی بھیج دیا تھا جو اسی ماہ جولائی کے شمارے میں شائع ہوگیا ہے۔ یہ بات اس لیے لکھ دی ہے کہ خدانخواستہ آپ کے قارئین مجھ پر نقل کرنے کا الزام عائد کر دیں اور میرا نام بلیک باکس میں آنے سے میری تحریروں کا مستقبل روشن ہونے سے پہلے ہی سیاہ ہو جائے۔ (بشرطیکہ میری تحریروں کا کوئی مستقبل ہو)"

نائلہ صدیقی صاحبہ! آپ کی یہ حرکت بڑی غیر ذمہ دارانہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مضمون کسی ایک رسالے میں بھیجنے کے بعد اسے اس وقت تک کسی دوسرے رسالے کو نہیں بھیجنا چاہیے۔ جب تک پہلے رسالے کے مدیر سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔ آپ کی اس روش سے ہمیں بھی تکلیف پہنچی ہے اور ہمارے قارئین کو بھی۔ امید ہے اس غلطی کو آپ دوبارہ نہیں دہرائیں گی۔

محمد رفیع، لانڈھی، کراچی۔ آنکھ مچولی کا پہلے شمارے سے قاری ہوں۔ قہقہہ نمبر زوردار تھا۔ لیکن صفحہ ۱۸۱ پر "باتیں مزیدار" کی ذیلی سرخیاں غلط چھپ گئی ہیں۔ ایسی غلطیوں سے پرہیز کریں۔

● رفیع بھائی! اچھا کیا آپ نے توجہ دلائی۔ کوشش کے باوجود پرچے میں ایک آدھ غلطی ایسی رہ جاتی ہے۔ بہر حال آپ کو آئندہ ایسی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ پرچے میں غلطی پکڑنے پر شاباشی اور ساتھ ہی شکریہ بھی قبول کریں۔

روبینہ علی، ثمینہ علی، راشد علی، شاہد علی، امجد علی، حیدرآباد۔ آپ آنکھ مچولی میں شہزادی، ملکہ یا شہزادے کی بھی کہانی شائع کیجیے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اب آپ جواب میں یہ نہ کہہ دیجیے گا کہ یہ تو کمپیوٹر کا دور ہے۔ اب بادشاہ اور رانی کی کہانیوں کا وقت گزر گیا۔

● لیجیے آپ نے تو ہمارا منہ ہی بند کر دیا۔ اب جواب دیں تو کیا۔ بھئی قصہ یہ ہے کہ یہ جو آپ کا رسالہ ہے نا آنکھ مچولی یہ دوسرے رسالوں سے مختلف ہے۔ آپ لوگ اسے باقاعدگی سے پڑھیں گے تو آہستہ آہستہ آپ لوگوں کی پسند خود بخود بدل جائے گی اور آپ شہزادے شہزادیوں کی کہانیاں چھاپنے کا تقاضا کرنا چھوڑ دیں گے۔ آزما کر دیکھ لیجیے۔

سید حسنین حیدر، صادق آباد

:- قہقہہ نمبر پڑھ کر آنسو نکل آئے میرا مطلب ہے ہنستے ہنستے۔ رہا تحفہ تو آپ نے یہ قرعہ اندازی والا کام اچھا نہیں کیا۔ بعض بچوں کے والدین انہیں صرف اسی وقت ان کا محبوب رسالہ 'آنکھ مچولی' خرید کر دیتے ہیں۔ جب اس کے ساتھ کوئی تحفہ آئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ کے انعامات مہنگے ہیں لیکن جب آپ سستے انعامات دیتے تھے تو سارے بچوں کو تو مل جاتے تھے۔

● شاید ایک لحاظ سے آپ کا اعتراض ٹھیک ہو لیکن بھئی کیا حرج ہے اگر ایک مرتبہ آپ کے پانچ سو ساتھیوں کو ذرا اچھے اچھے اور مہنگے مہنگے انعامات مل جائیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا تو آپ ہی کہیں گے بھئی یہ قرعہ اندازی تو ہر بار ہونی چاہیے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

کرن بانو، گلشن اقبال کراچی :- حق اسکواڈ کیوں شائع نہیں ہو رہا ہے؟

● حق اسکواڈ کے بہادر اور نیک لڑکے اب سنجیدگی سے لکھائی پڑھائی میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے ہمیں تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ کارنامے انجام دینے میں ان کا خاصا وقت ضائع ہو جاتا تھا۔ جب تعلیم سے فارغ ہو جائیں گے تو ایک بار پھر وہ میدان میں کود پڑیں گے۔ آپ کی نظم کے لیے معذرت قبول کیجیے۔

ظہیر الٰہی بابر، حیدرآباد - آج میں اپنے کمرے میں بیٹھا "چیکو کا رسالہ" میں "دلچسپ شرارتیں" پڑھ رہا تھا کہ میرے دوست کمرے میں داخل ہوئے۔ ہم نے انہیں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے فرار ہو گئے کہ "مجھے بھی میرے دوستوں سے بچاؤ"۔ ادھر ہمارے پڑوسی "ماموں لیموں" کمرے میں وارد ہوئے اور ہمیں وہاں نہ پا کر کہنے لگے "خوش رہو آباد رہو"

● بھئی ظہیر میاں۔ آپ نے تو پورا مضمون قہقہہ نمبر ۲ کے عنوانات کی مدد سے لکھ مارا اس کے لیے آپ کو جتنا خون پسینہ ایک کرنا پڑا ہوگا اس کا ہمیں اندازہ ہے۔ کیا ہی خوب ہوتا اگر اتنی محنت کر کے آپ کوئی اچھا سا مضمون لکھ ڈالتے۔ بہر حال یہ ایک دلچسپ تحریر ہے۔۔۔

ایک خط، ایک مسئلہ

"آنکھ مچولی" کے نام ہر روز ڈھیروں خطوط آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر خطوں میں شکایت ہوتی ہے کہ "انکل! آپ ہمارا خط ردّی کی ٹوکری میں کیوں پھینک دیتے ہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟" "آئندہ اگر میرے خط کا جواب نہیں ملا تو ہم آنکھ مچولی پڑھنا چھوڑ دیں گے"۔ وغیرہ۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان خطوں میں کوئی بات بھی ایسی نہیں لکھی ہوتی جس کا جواب دیا جائے۔ ہم ایک بار پھر تمام ساتھیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ خط لکھتے ہوئے کوئی تجویز، مشورہ، پرچے پر کوئی اچھا سا تبصرہ یعنی کوئی نہ کوئی کام کی بات ایسی ضرور ہو کہ خط کا جواب دیا جا سکے۔ ایسے خط لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا یہ خط ہے:

یوسف طارق۔ کراچی:- پیارے انکل! کیا آپ نے ہمارے خط نہ شائع کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ جنوری سے لے کر اب تک میں آپ کو پانچ خط لکھ چکا ہوں۔ لیکن اس میں سے ایک بھی شائع نہیں ہوا۔ اگر آپ نے میرا یہ خط بھی شائع نہیں کیا تو میں آپ کو خط نہ لکھنے کی قسم کھا لوں گا۔ اور آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔

● یوسف میاں! لیجیے آپ کا خط تو ہم نے شائع کر دیا۔ اب جواب کیا دیں؟ آپ کے خط سے پہلے جو نوٹ ہم نے لکھا ہے اُسے غور سے پڑھ لیجیے۔

ثناء اللہ نیازی (؟): میں آنکھ مچولی کے لیے معلومات بھیج رہا ہوں۔ پلیز آپ اسے چھاپ دیجیے۔ اگر آپ نے اسے چھاپ دیا تو میں آنکھ مچولی کی ساری زندگی خدمت کرتا رہوں گا۔ اور آپ نے اسے شائع نہ کیا تو میں بہت روؤں گا اتنا...اتنا کہ:

● آپ نے آگے جو کچھ لکھا ہے اُسے نقل کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ دیکھیے ثناء اللہ میاں! مضمون چھپوانے کا یہ طریقہ بالکل مناسب نہیں ہے اگر آپ ادیب بننا چاہتے ہیں تو خوب محنت سے مطالعہ کیا کیجیے اور لکھنے کی مشق بھی کرتے رہیے۔ آدمی خوشامد اور منت سماجت سے کچھ اور بن سکتا ہے لیکن ادیب کبھی نہیں بن سکتا۔

حمیرا کریم، پشاور:- لطائف بہت ہی بور ہوتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر ہنسی تو دُور کی بات ہے چہرے پر مُسکراہٹ تک نہیں آتی۔

● آپ کا خط پڑھ کر ہمیں بے اختیار ہنسی آگئی۔ ایک مزاح نگار نے اپنی مزاحیہ کتاب میں لکھا کہ "اگر آپ کو یہ کتاب پڑھ کر ہنسی نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھ سے بڑے مزاح نگار ہیں"۔ لہٰذا اگر آپ کو لطیفوں پر ہنسی نہیں آئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو لطیفے ہم چھاپتے ہیں اُن سے زیادہ لطیفے آپ نے پڑھ رکھے ہیں تو پھر ایسا کیجیے کہ آپ ہی ہمیں اچھے اچھے لطائف لکھ کر بھیج دیا کیجیے۔

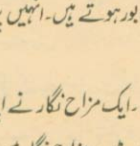

لیجیئے تحائف حاضر ہیں

لیجیے ہزاروں روپے کے سینکڑوں انعامات

سمیٹنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ قرعہ اندازی کا نتیجہ حاضر ہے... بڑے تحمّل، آرام، سکون اور احتیاط کے ساتھ نمبر دیکھیے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عجلت میں آپ اپنے قیمتی انعام سے محروم رہ جائیں۔

اگر خوش بختی نے آپ کے قدم چوم لیے ہیں اور قرعہ اندازی میں آپ کا نمبر موجود ہے تو پھر جلدی سے اپنا کوپن پُر کیجیے اور ہمیں بھجوا دیجیے مگر خیال رہے

- لفافے پر آنکھ مچولی قرعہ اندازی ضرور لکھیے گا۔
- کوپن کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی اپنے پاس ضرور محفوظ کریں۔
- اپنا نام... عمر... کلاس... اور مکمل پتہ ضرور لکھیے گا۔ نیز یہ کہ اپنا قومی شناختی کارڈ یا اگر آپ ابھی چھوٹے ہیں تو اسکول کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ضرور بھجوائیے گا۔
- پہلا دوسرا اور تیسرا انعام حاصل کرنے والے ساتھی اپنے تعارف کے علاوہ اپنی تصویر بھی بھجوائیں تو ہم ضرور شائع کریں گے۔
- جو ساتھی انعام حاصل نہ کر سکیں وہ آئندہ کسی اور مقابلے کا انتظار کریں ممکن ہے قسمت آئندہ اُن پر مہربان ہو جائے۔
- ہم آپ کو بتا دیں کہ یہ تمام نتائج احمد فوڈ انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ کے کمپیوٹر پر مرتّب کئے گئے جس کے لیے ہم اُن کے انتہائی ممنون ہیں۔

پہلا انعام:۔ پانچ خوش قسمتوں کے لیے پانچ امریکن کیمرے

4217 22653 30194 2561 3727

دوسرا انعام:۔ پانچ خوش نصیبوں کے لیے پانچ پاکٹ سائز ریڈیو

33032 24460 33749 11153 33227

تیسرا انعام .. ۳۵، خوش بختوں کے لیے ۳۵، خوبصورت کیلکیولیٹرز

313	2524	32476	23326	24415	23175	11612
24991	3561	14803	1926	23000	4467	1922
11421	4326	12614	34408	10083	22859	32636
32413	21271	13204	30941	32902	11227	14346
21166	24764	14769	23718	24880	32457	4772

۱۰۰، انعامات — خوبصورت گھڑیاں

1188	10022	11829	31707	3974	34092	20214
1828	2157	21384	24150	13261	2319	12265
31901	10463	20316	3615	30495	14430	3759
14708	23770	12411	22794	32454	12703	31220
3003	33464	10033	34415	14133	20596	24846
31158	22488	12230	2419	14321	11658	13909
33485	22832	22197	2138	24016	21173	21607
148	13512	24404	13523	3035	13477	32895
31921	22455	2688	24371	11896	2035	2280
2062	34447	3144	23498	4365	20691	14574
	2118	12627	2071	13501	21885	22921
	33338	34641	22328	31997	30502	11094
	22318	34571	14621	20030	84	33422
	3771	34365	1159	23944	31754	20005
	14058	31123	20629	20039	30657	30904

۶، انعامات — پارکر قلم کے سیٹ

31711	880	4514	14847	13539	30468

۲۵، انعامات — خوبصورت قلم

24446	21768	22547	24653	21733	3089	22510
	13922	10791	30464	4299	21381	30567
	13946	1735	13550	22234	24994	33525
	21663	21233	31359	4799	3815	12007

۲۵، انعامات — جیومیٹری بکس

10556	32042	31548	12175	31197	34143	24629
	32331	14348	4078	21321	32583	24553
	31503	20946	11615	2326	30262	21247
	32836	10516	31317	30118	4314	20058

۱۲، انعامات ڈزنی ورلڈ ماؤنٹنگ

11931	20199	32554	20254	22517	21198
20660	20399	10512	24063	30424	24328

۱۰، انعامات امپورٹڈ پینسل سیٹ،

31945	4483	23430	3587	23846
10936	11178	3991	4069	10430

۱۲، انعامات مقناطیسی لڈو

34364	31114	11125	34237	2772	10170	31950
		31606	14063	10503	22709	11432

۱۰۰، انعامات کورین بال پوائنٹس

3054	3077	31724	11702	3888	24492	33408
13428	1901	24507	1702	253	2604	4143
11314	22013	2443	10942	12048	3790	34163
22032	22100	4996	3451	3723	31200	12301
1673	22774	13463	13223	2791	22576	32629
10568	518	4634	23299	20389	23116	30498
24087	24881	30559	4938	14074	23010	4496
11766	596	471	23882	31946	30836	22576
23425	31623	11464	32158	3503	21768	2868
4017	2151	2046	2302	34511	20271	22273
31992	11084	3485	14919	11461	11882	21481
21414	10154	21447	373	21901	4009	31923
3096	22289	11527	32216	11279	33460	34336
32139	31729	34614	22130	32186	735	1200
20739	12854					

۱۵۰، انعامات خوبصورت معلوماتی کتب

150	32661	10539	31094	30649	963	445
14586	30313	191	23209	10941	24129	30866
641	30832	10639	10031	20518	34450	20871
20102	14288	21388	4533	21940	31620	23221
11420	32783	21790	13943	11012	3103	30024
10973	861	22054	33924	11399	10334	2539
32153	4652	30658	985	2098	33231	994
2485	10565	24992	12581	33965	11388	32486

24436	32267	10270	23443	24074	12763	2468
12649	34299	4848	31111	3536	10111	23544
24820	10292	1283	12703	32702	2355	4133
1244	13590	3714	8180	30155	34284	10923
24711	3817	11575	779	13794	14370	13242
34348	32383	3965	32857	30950	3521	23846
20012	11923	33020	24606	24907	24469	13323
4527	3743	21188	20016	14909	11321	517
20518	13381	20880	14441	10612	10423	24833
30416	34081	31420	4578	13065	4154	3091
	3535	2284	31509	33548	10837	32196
	787	32812	11705	1501	14476	34194
	3604	13438	11631	4177	10131	11936
	21110	1096	4215	23669	23376	23530

۱۵ انعامات — ڈرائنگ بکس

31069	12117	14157	20060	34487	31630	12716
4687	34184	3499	31664	21809	10124	14370
						672

فضاؤں میں آنکھ مچولی

کبھی ہوائی سفر کا اتفاق ہو اور حُسنِ اتّفاق سے یہ سفر پی آئی اے کے کسی خوبصورت سے طیّارے کے ذریعے ہو تو آپ یہ بات مت بھُولیے کہ اس جہاز میں آپ کا پسندیدہ ماہنامہ آنکھ مچولی بھی آپ کا ہم سفر ہے۔ آپ دورانِ سفر مطالعے کے لیے فضائی میزبانوں سے آنکھ مچولی طلب کر سکتے ہیں۔

گھر ہو یا سفر آپ کا ہم سفر "آنکھ مچولی"

آزادی

شبّیر بیگ نازؔ

آزادی اِک پھول ہے جس کی مہکی مہکی خوشبو ہے
آزادی بے خوف گھنے جنگل میں پھرتا آہو[1] ہے

آزادی اس نیل گگن[2] کا جھلمل جھلمل تارا ہے
ندّی کی آغوش میں بہتا آزادی اِک دھارا ہے

آزادی رنگین گھٹا ہے رس برساتے ساون کی
آزادی خوش رنگ کلی ہے نکھرے نکھرے گلشن کی

پربت[3] کے دامن میں آزادی اِک رنگیں وادی ہے
فطرت نے پالا ہو جس کو یہ ایسی شہزادی ہے

آزادی لہراتا پرچم کومل[4] مست بہاروں کا
آزادی اِک گیت ہے رم جھم رم جھم نرم پھواروں کا

آزادی اِک لہراتی بل کھاتی ندی گاؤں کی
آزادی اِک پینگ ہے میٹھی میٹھی ٹھنڈی چھاؤں کی

آزادی ہے ایک اُبھرتا سورج چنچل کرنوں کا
آزادی ہے اک گہوارہ[5] نازک نازک پھولوں کا

دور گھنے باغوں میں گاتا آزادی اِک پنچھی ہے
جس سے دریا کا دِل دہلے آزادی وہ مانجھی ہے

آزادی پیدائشی حق ہے ہر انساں ہر جیوان کا
پاکیزہ بھر پور اجالا نازؔ یہ وادیٔ فاراں کا

[1] ہرن [2] آسمان [3] پہاڑ [4] نرم ملائم شیریں [5] پنگھوڑا

موت سے آنکھ ملانے والے

صباحت شکیل

شہرت بُری چیز ہے، مل جائے تب بھی اور نہ ملے تب بھی۔ مل جائے تو لوگ انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر اور آنکھوں سے اشارے کر کر کے زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں اور نہ ملے تو انسان خود اپنی زندگی کو شہرت کے حصول کے لیے مشکل بنا لیتا ہے۔

کچھ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو اُن کے کام پر راتوں رات شہرت مل جاتی ہے۔ وہ صبح سو کر اُٹھتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت مشہور ہو گئے ہیں۔ انگریزی کے عظیم شاعر لارڈ بائرن کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ اُن کی ایک طویل نظم ایک ادبی رسالے میں شائع ہوئی اور اگلے روز پورے برطانیہ کے ادبی حلقوں میں اُن کے چرچے تھے۔ مگر سب لوگ بائرن کی طرح خوش قسمت نہیں ہوتے۔ کچھ لوگوں کو شہرت حاصل کرنے کے لیے خوف کی وادی میں داخل ہو کر جان تک کی بازی لگا دینی پڑتی ہے۔ برابر کے صفحہ پر موجود افراد شہرت کے حصول کے لیے جان کی بازی لگا دینے والے ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ ان افراد کا تعلق امریکی ریاست کیلی فورنیا سے ہے۔

تصویر نمبر ۱ میں دو ہوائی جہاز (ایک اُلٹا اور ایک سیدھا) ۱۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ۴۰۰۰ فٹ کی بلندی پر اُڑ رہے ہیں۔ ایک امریکی خاتون جس کا نام جونی کیزین ہے۔ اُلٹے اُڑتے ہوئے جہاز کے پروں سے اُلٹی لٹک کر دوسرے جہاز کے پروں پہ کھڑے رَوس نامی شخص کو ایک چھڑی پکڑا رہی ہے۔

تصویر نمبر ۲ اور ۳، اسی مظاہرے کے کچھ اور زاویے ہیں۔ اس سنسنی خیز مظاہرے کا نام "موت سے مقابلہ" تھا۔

کیزین کے بقول "اس مظاہرے کے دوران تل برابر غلطی بھی ہمیں ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے گرا سکتی تھی۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ ۴۰۰۰ فٹ کی بلندی سے گرنے کے بعد آدمی کتنے ٹکڑوں میں تبدیل ہو سکتا ہے۔" اس مظاہرے کے دوران کئی ایسے لمحے آئے جب ان دونوں نے موت سے آنکھیں چار کیں اور ہر بار اُسے "گڈ بائی" کہا...

عجیب بات ہے جو موت سے پیار کرتا ہے موت اُس سے ڈرتی ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے موت اُس سے پیار کرتی ہے۔ کسی اعلیٰ مقصد کے لیے موت سے پیار کرنا تو خود ہمارے بزرگوں کی روایت رہی ہے۔ مگر معلوم نہیں محض شہرت کے لیے موت سے پیار کرنا کیسا ہے؟ آپ ہی بتائیے!

موت سے آنکھ ملانے والے

۱

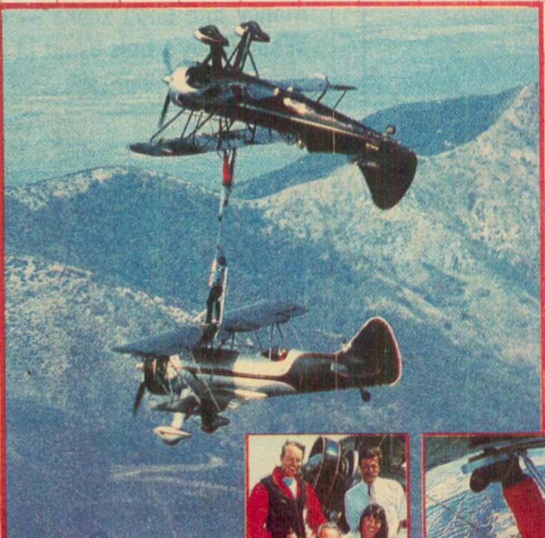

۱۔ کیزین اُلٹے جہاز کے پروں سے لٹک کر دوسرے جہاز کے پروں پر کھڑے رَوس کو چھڑی پکڑاتے ہوئے

۳۔ دُور کے کیمرے سے لی گئی تصویر

۳

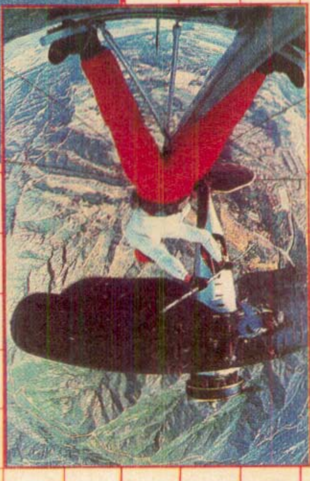

۴

۴۔ حیرت انگیز کارنامے پر خوشی کا اظہار

۲

۲۔ موت سے آنکھ مچولی ایک اور زاویہ

جام جیلی مارملیڈ
اب نئے انٹرنیشنل پیک میں
AHMED PRESERVES
Produce of Pakistan
AHMED
RASPBERRY JAM
APPLE JELLY
ORANGE MARMALADE
AHMED FOOD INDUSTRIES (PVT) LTD.
قدرت نے ذائقہ دیا احمد نے محفوظ کیا

یومِ آزادی کے حوالے سے ایک تاثر انگیز کہانی

متین الرحمٰن مرتضیٰ

"امی ابھی تو صرف ۷ بجے ہیں۔ آپ کی نائٹ ڈیوٹی شروع ہونے میں تو ابھی تین گھنٹے پڑے ہیں۔ آپ اتنی جلدی اسپتال جانے کے لیے کیوں تیار ہو رہی ہیں؟" سارہ نے ماں کو تیزی سے اپنے کام نمٹاتے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں جان! ڈیوٹی شروع ہونے میں تو دیر ہے مگر مجھے اپنے ایک مریض کی فکر ہے۔ گزشتہ رات

اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اور دیکھو تمہارے ابو ٹیوشن پڑھا کر لوٹیں تو انھیں کھانا گرم کرکے دے دینا۔ ان کے آنے سے پہلے ہی نہ سو لینا" ہاجرہ نے ہینڈ بیگ سنبھالا اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر آخری نظر ڈالتے ہوئے اس نے بچوں کو آخری ہدایات دیں" دیکھو بلو بہنوں کو ستانا مت۔ صبح تمہارا امتحان ہے۔ گیارہ بجے تک تمہیں پڑھنا ہے۔ نہ شرارت کرنا ہے اور نہ جلدی سونا ہے۔ اچھا خدا حافظ..." ٹھیک، ۷ بج کر ۱۰ منٹ پر وہ گھر سے نکل گئی۔

محض دس منٹ بعد اس کا رکشہ گنگارام اسپتال کے گیٹ پر رُکا اور وہ رکشے والے کو جلدی سے پیسوں کی ادائیگی کرکے تیزی سے اپنے وارڈ کی طرف لپکی" اتنی دیر پہلے گھر سے نکل کر بھی رکشہ لینا کیا ضروری تھا۔ بس میں بھی تو آیا جاسکتا تھا!" اس نے اپنے دل میں سوچا..." ہاں مگر کسی مایوس و نامراد کے انتظار کی شدت کو کم کرنے کے لیے ایسا کرنا شاید ضروری تھا" خود اُس کے اندر سے جواب آیا۔

وارڈ میں شام کے وقت کی معمول کی سی گھٹن تھی۔ یہ وقت مریضوں کے لیے بے چینی اور پریشانی کا ہوتا ہے۔ جو مریض چلنے پھرنے کے قابل ہوتے ہیں وہ تو عیادت کے لیے آنے والے اپنے عزیزوں کے ساتھ برآمدوں میں یا باہر لان میں جا بیٹھتے ہیں مگر جو بستر سے اُٹھ نہیں سکتے اُنھیں بے زاری اور اذیت کے یہ لمحے اپنے بستر پر ہی گزارنے پڑتے ہیں۔

وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی بستر نمبر ۲۸ پر پہنچی۔ ڈیوٹی نرس بوڑھے مریض کو انجکشن دے رہی تھی۔

"ارے حاجرہ تم ابھی سے یہاں کہاں! تمہاری ڈیوٹی شروع ہونے میں تو ابھی ڈھائی گھنٹے باقی ہیں" ڈیوٹی نرس نے حیرت سے اُسے تکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس بے چارے کا کیا حال ہے؟" حاجرہ نے ڈیوٹی نرس کے سوال کو نظرانداز کرکے اپنا سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔

"بس وہی کیفیت ہے۔ ڈاکٹر رب بھی اب تو مایوس دکھائی دیتے ہیں۔"

اس وقت مریض پرسکون اور گہری نیند سویا دکھائی دے رہا تھا۔ پچھلے تین دن سے یہ مریض معمہ بنا ہُوا تھا۔ ڈاکٹروں کے ہزار جتن کے باوجود اب تک اُسے ہوش نہ آیا تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے سکون کے بعد وہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگتا تھا۔ اور اس کے چہرے سے اذیت اور تکلیف کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ بڑبڑاتا بھی تھا مگر سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر اذیت اور کرب کی کیفیتوں میں مایوسی و نامرادی، بے چینی و بیزاری اور وحشتناک انتظار کی جھلک ملتی تھی۔ وہ مندی

آنکھوں ہی کے ساتھ بار بار تکیے سے اس طرح سر اُٹھاتا گویا کسی کے انتظار میں کھلے دروازے کو تک
کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ بس اب ہوش میں آجائے گا۔ اب بول پڑے گا۔ مگر اب تک ایسا ہو
نہیں سکا تھا۔

یہ اپنی طرح کا کوئی پہلا مریض نہیں تھا۔ یہ اسپتال تھا۔ حاجرہ نے نرس کی حیثیت سے یہاں اپنی دس سالہ سروس میں درجنوں ایسے مریض بھلے چنگے ہوتے یا اسی کیفیت میں اپنے پیاروں کو روتا دھوتا چھوڑ کر رخصت ہوتے دیکھے تھے۔ یہ سب کیفیتیں، یہ سب مناظر حاجرہ کی پیشہ ورانہ زندگی کا معمول تھے۔ مگر اس بوڑھے بے ہوش مریض میں نہ جانے ایسی کونسی غیر معمولی بات تھی کہ جیسے جیسے وقت بیت رہا تھا۔ اس مریض کا خیال اُس کے ذہن پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔

پچھلے تین دنوں سے وہ اس مریض کے چہرے کو مسلسل گھور رہی تھی۔ چہرہ جانا پہچانا، اپنا سا، مانوس سا لگتا تھا۔ مگر اپنائیت، قربت اور محبت کے اس دم بدم بڑھتے ہوئے احساس کے باوجود اس سے کوئی رشتہ، کوئی ناتہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کون ہے؟ وہ جانا پہچانا کیوں لگ رہا ہے؟ بس یہی سوالات اُسے تین دن سے اُلجھائے ہوئے تھے۔ اُسے بڑی شدّت سے اُس بوڑھے کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا تاکہ اُسے اپنے سوالوں کا کوئی جواب مل سکے۔ مگر اپنی ڈیوٹی کا زیادہ سے زیادہ وقت بستر نمبر ۲۸ کے قریب گزارنے کے باوجود اس کے انتظار کے وقفے کے ختم ہونے کی نوبت نہیں آرہی تھی۔

انتظار کی ان اذیت ناک گھڑیوں میں کبھی کبھی اس کی بھولی بسری یادوں کے دیے جھلملانے لگتے۔ اوران یادوں کے دیئوں کی مدھم روشنی میں اس مریض کے سے چہرے کی پرچھائیاں لہرانے لگتیں۔ بھول کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے بچپن کے مٹے مٹے سے نقوش پردۂ تصور پہ ہلکے ہلکے اُبھر آتے مگر کسی شناخت سے پہلے ہی ہٹ جاتے۔

حاجرہ نے ایسے ہی کسی خیال میں گُم مریض کے چہرے کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ مگر وہاں محض حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ ڈیوٹی نرس بھی جاچکی تھی۔ فضا میں ٹھنڈک آگئی تھی۔ اُس نے آہستگی سے بے سدھ مریض کو کمبل اُڑھایا اور ڈیوٹی روم کی طرف چل دی۔

دفعتاً مریض کے کراہنے کی خفیف سی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔ پلٹ کر دیکھا تو مریض دوسری طرف کروٹ لے چکا تھا۔ وہ خاموشی سے پھر بستر نمبر ۲۸ کے قریب آکھڑی ہوئی۔ مریض نے بڑی بے چینی سے اپنے جسم کو دائیں بائیں حرکت دی۔ چہرے پر اذیّت اور بیداری کے ملے جلے آثار تھے۔ اُس نے

مریض کے کراہنے کی آواز پھر سُنی۔

"کیا بات ہے؟ کہیے بابا کیا تکلیف ہے آپ کو؟" حاجرہ نے نہایت ملائمت سے پوچھا: "سر میں درد ہے کیا؟"

مریض آنکھیں کھوئے بغیر کچھ بڑبڑایا۔

"آنکھیں کھولیے اور ذرا اونچی آواز میں بتائیے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" حاجرہ بوڑھے مریض کی نحیف سی بڑبڑاہٹ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

مریض نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی کمزوری اور مایوسی تھی۔

"میں... میں کہاں ہوں؟" بوڑھے نے بڑی نحیف سی آواز میں پوچھا۔

"آپ اس وقت اسپتال میں ہیں۔"

"اسپتال میں!... لیکن کیوں؟... مگر ہاں ہاں ٹھیک تو ہے..." مریض نے اپنی یادداشت کو مرتب کرتے ہوئے کہا..." دراصل میں خود ہی اسپتال آرہا تھا۔ لیکن اسپتال کے راستے ہی میں مجھے چکر آگیا تھا... میں گر پڑا تھا شاید؟ اور اس کے بعد... اس کے بعد..." بوڑھا مریض اس سے آگے کچھ یاد کرنے سے قاصر نظر آتا تھا۔

"اس کے بعد کسی راہ گیر نے آپ کو سڑک پر بے ہوش پڑے پایا تو آپ کو یہاں تک پہنچا دیا اور بس!" حاجرہ نے اس کو سوچ کی اُلجھن سے نجات دلاتے ہوئے بتایا۔

"لیکن تم کون ہو؟... تم وہی ہو نا...؟" بوڑھا پھر کچھ بہک سا گیا۔

"میں نرس ہوں!" حاجرہ نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "میرا کام آپ جیسے مریضوں کی خدمت کرنا ہے!"

"ہاں ٹھیک ہے سِسٹر!... معاف کرنا میں ذرا بھٹک گیا تھا۔ میں بھٹک ہی جاتا ہوں۔ مجھے تم میں وہ نظر آگئی تھی... میں کیا کروں مجھے تم جیسے سب چہروں میں اُس کا ہی چہرہ نظر آتا ہے... میں کیا کروں!" مریض نے مایوسی کے عالم میں خود کلامی کے انداز میں سر جھٹکتے ہوئے پھر آنکھیں مُوند لیں۔

"کون ہے وہ بڑے صاحب! سب کے چہروں میں کس کا چہرہ دکھائی دیتا ہے آپ کو؟" حاجرہ نے نرمی مگر بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"ایک چہرہ... میری بچّی کا چہرہ... مجھے تم جیسے سب چہروں میں بس اُسی کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ مگر کیا کروں میرا گمان، میرا وہم، میرا خواب کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھارتا وہ تو بس خواب ہی رہتا ہے!"

بوڑھے نے بند آنکھوں کے ساتھ نرس کے سوال کا اس طرح جواب دیا جیسے وہ نرس سے نہیں خود اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو۔
"کیا ہُوا آپ کی بیٹی کو؟ کہاں ہے وہ؟" حاجرہ نے بے چینی سے پوچھا۔
"یہی تو پتہ نہیں کہاں ہے وہ؟ اسے تلاش کرتے کرتے زندگی کی شام ہوگئی۔ زندہ ہے یا مُر گئی! اتنا بھی تو پتا نہیں" بوڑھا مریض فرطِ غم سے پھر نڈھال ہوگیا۔
"کیا مطلب؟"
"بیٹی یہ ایک المناک کہانی ہے۔ کیا کرو گی میرے دکھوں کو کرید کر" بوڑھے نے تھکے ہوئے لہجے میں سرد آہ بھر کر کہا۔
"اچھا! بیٹی کہا ہے تو کیا بیٹی سے اب اپنے دُکھ بھی چھپائے جائیں گے؟" حاجرہ کسی قدر شوخی سے بولی۔
اپنائیت کے اس انداز سے بوڑھا چونک سا گیا۔ اس کے مایوس و نامراد چہرے پر زندگی کی سی چمک دمک آگئی۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر اور سر کو ذرا تکیے سے اُٹھا کر اُسے تکتے ہوئے کہا۔
"ہاں تم بالکل ویسی ہی سی تو ہو۔ تم وہی ہو کیا؟"
"مگر آپ جسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس کی کچھ تو تفصیل بتائیے؟"
"بیٹی اب سے اٹھارہ برس پیشتر بٹوارے کے وقت میں دہلی میں رہتا تھا۔ چاندنی چوک میں میری دکان تھی۔ اچھا خاصا کاروبار تھا۔ بٹوارے کے فسادات میں دکان تباہ ہوئی۔ اُس روز میں دکان ہی پر تھا جب میری دکان جلائی اور لُوٹی گئی۔ بس میں بچ گیا۔ مجھے گھر کی فکر ہوئی۔ گھر میں میری ماں، بے اولاد بیوہ بہن بیوی اور میری نو سالہ بیٹی تھیں۔ دکان کی تباہی کے بعد بچ بچا کر بڑی دقّت سے گھر کی طرف بھاگا تو محلّے میں ایک کہرام برپا تھا۔ ہر طرف آگ اور دُھواں تھا۔ پولیس اور فوج نے پورا علاقہ گھیرے میں لے رکھا تھا۔ محلّے پر سے قیامت گزر چکی تھی۔ گھر میں کچھ نہ بچا تھا۔ اماں اور بہن کی ادھ جلی لاشیں بھی دیکھیں۔ لیکن بیوی اور بچّی کا کوئی سُراغ نہ لگا۔۔۔" بوڑھا فرطِ غم سے نڈھال سا ہو کر پھر چُپ ہوگیا۔
حاجرہ کے چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی۔ وہ بالکل مبہوت تھی۔ اس کی یادوں کے چراغوں کی لو رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی۔ بھُول کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے بچپن کی بہت سی مٹی مٹی یادیں واضح ہو رہی تھیں۔ معمّہ کچھ کچھ حل ہو رہا تھا۔ بوڑھے کی خاموشی نے اُسے چونکا دیا اور اُس نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر کچھ پتا چلا آپ کی بیوی اور بیٹی کہاں گئیں؟"

"بس امّاں اور بہن کی لاشیں دیکھ کر اور بیوی اور بیٹی کو نہ پا کر مجھ پر جنون ساطاری ہوگیا۔ میں چیخنے چلّانے اور رونے لگا۔ فوجیوں نے مجھے سنبھالا اور جیسے تیسے مجھے اُس کیمپ میں پہنچا دیا۔ جہاں میری طرح رونے اور چیخنے والے سینکڑوں ہزاروں تھے۔ وہاں شناسا چہرے بھی تھے اور اجنبی بھی۔ میں دیوانہ وار ہر شناسا اور اجنبی سے اپنی بیوی اور بچّی کے بارے میں پوچھتا تھا۔ لیکن کہیں سے کچھ پتا نہ چلا۔" بوڑھا پھر چُپ ہوگیا۔

"پھر؟" حاجرہ اُسے چُپ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اُس کے کان بوڑھے کی آواز پر تھے اور اس کا ذہن اُس کے اپنے ماضی کو کھنگال رہا تھا۔ بوڑھے کی طرف سے امّاں، بہن، بیوی اور بیٹی چار افراد کے حوالے نے بہت کچھ واضح کر دیا تھا۔ یہ حوالہ معمّے کی کنجی تھی۔ تین دن سے اس بوڑھے کا چہرہ اُسے مانوس دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا۔ مگر یہ معمّہ اس سے حل نہیں ہو رہا تھا کہ اپنائیت، قربت اور محبّت کے اس احساس کی بنیاد کون سا رشتہ ناتہ تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ جس کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ اب وہ کافی حد تک اُسے پہچان چکی تھی، لیکن وہ اپنے جذبات پر حاوی رہی۔ وہ اپنی پہچان کی مکمل تصدیق چاہتی تھی۔ اور اس لیے بوڑھے کو چُپ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

"کیمپ بہت بڑا تھا۔ بڑی لمبی چوڑی بستی تھی۔ میں روز پورے کیمپ میں مارا مارا پھرتا تھا۔ تیسرے چوتھے روز میں کیمپ کی ڈسپنسری کی طرف گیا تو ایک طرف چھوٹا سا ہجوم دیکھا۔ ہجوم کے اندر جھانکا تو میری ہی بیوی فرش پر بے ہوش پڑی تھی اور ڈاکٹر اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور بہت سے لوگ اطراف میں کھڑے تھے۔ کسی نے کہا۔۔۔" بے چاری لاوارث ہے۔ مرگی کے دورے پڑے ہیں شاید۔" بہرحال ڈاکٹر کی کوشش سے اور میری آواز سُن کر اُسے ہوش آگیا۔ مگر بچّی کا اُسے بھی کوئی علم نہیں تھا۔ مجھے زندہ دیکھ کر وہ کسی قدر مطمئن ہوئی۔

کیمپ سے نکال کر ہمیں جیسے تیسے پاکستان پہنچا دیا گیا۔ اس لاہور میں اور پاکستان میں ہر اُس جگہ جہاں دہلی سے آنے والوں کا پتا چلتا تھا ہم میاں بیوی پہنچتے تھے مگر بچّی کا سُراغ کہیں نہ لگا۔ ماں بچّی کی جدائی کا یہ غم زیادہ دنوں نہ جھیل سکی اور اس غم میں گھُل گھُل کر اسی گنگارام اسپتال میں اُس نے دَم توڑ دیا۔ امّاں نہیں رہیں۔ بہن چلی گئی اور بیوی بھی ساتھ چھوڑ گئی۔ بچّی کا کچھ پتا نہ چلا۔ میری دُنیا اندھیر تھی۔ بیوی کا آخری سہارا چھن جانے کے بعد میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا۔ برسوں اپنے آپ سے اور دُنیا سے

غافل رہا۔ سکون سے رہا۔ مگر ڈاکٹروں نے مجھ پر رحم نہ کیا اور اپنی مسلسل جدوجہد کے بعد مجھے ذہنی طور پر بھلا چنگا کر کے پچھلے تین سال سے پھر رنج والم سہنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ ہفتے میں ایک آدھ بار میں اس گنگارام اسپتال ضرور آتا ہوں جہاں ایسے ہی ایک وارڈ میں مجھ سے میرا آخری سہارا چھنا تھا۔ بس اُس دن بھی معمول کے مطابق اسپتال ہی آرہا تھا کہ راستے میں چکر آیا اور میں گر پڑا۔" بوڑھا اپنی داستانِ الم ختم کر کے پھر چُپ ہو گیا۔

"آپ کی بیٹی کا نام کیا تھا؟"

"حاجرہ تھا اُس کا نام!"

"آہ! بابا میں ہی وہ حاجرہ ہوں جس نے آپ کو اس قدر تکلیف دی"۔ حاجرہ کا بندِ ضبط ٹوٹ گیا۔ اور اس نے اپنا آنسوؤں بھرا چہرہ بوڑھے کے سینے پر رکھ دیا۔

"حاجرہ ہو تم! تم وہی ہو؟ ... واقعی؟ میری بچّی!" بوڑھے نے پوری توانائی، ہوش اور وارفتگی سے اس کے سَر کو اپنے سینے اور بازوؤں میں چھپا لیا۔ تھوڑی سی دیر میں بوڑھے کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی حاجرہ سیدھی بیٹھ گئی۔

بوڑھے کے چہرے پر اطمینان اور خوشی تھی۔ مگر اس کی گردن ڈھلک چکی تھی۔ شادیٔ مرگ نے اُسے اپنی حاجرہ کی بپتا سُننے کی بھی مہلت نہ دی تھی۔ خوشی اور مسرّت کا زہر اُس کے بدن کو ٹھنڈا کر چکا تھا۔

ماہ مئی ۸۹ء کے شمارے میں ہم نے "ماں" کے عنوان سے ایک خوبصورت تاثراتی کہانی آپ کے مطالعے کے لیے شائع کی تھی اور آپ سے پوچھا تھا کہ بتائیے یہ تحریر کس نامور شخصیت کی ہے۔

ساتھیوں کی بہت بڑی تعداد نے ہمیں خط لکھے اور معروف شخصیات کے سبھی نام گنوا دئیے مگر صحیح نام کوئی بھی نہ بتا پایا۔

لیجیے ہم آپ کو بتاتے ہیں "ماں" کے موضوع پر وہ خوبصورت کہانی ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی تھی۔ آپ برِصغیر پاک و ہند کی بہت بڑی علمی شخصیت اور بھارت کے سابق صدر بھی رہے۔ اپنی وفات کے بعد جامعہ ملیہ دہلی کے احاطے میں دفن ہوئے۔ آپ نے بچّوں کے لیے کئی لازوال اور خوبصورت کہانیاں تخلیق کیں۔

کون سی دُم کس کی ہے

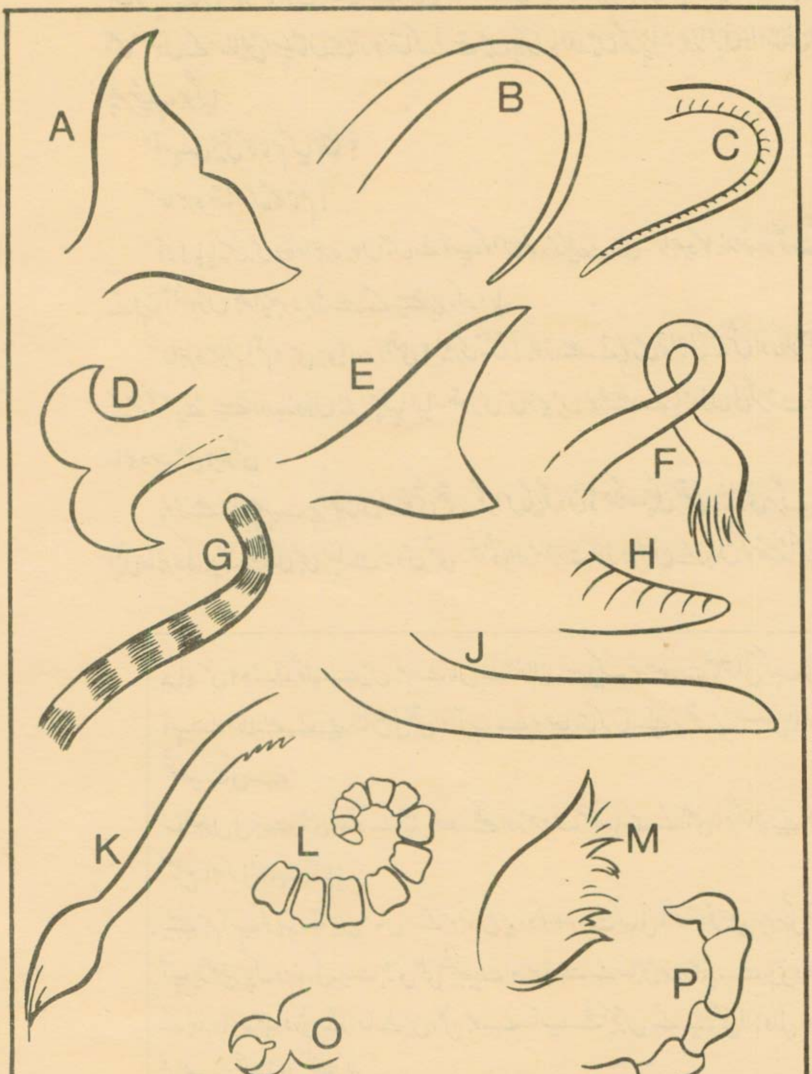

سیّد خورشید عالم

میں بہت سخت آدمی ہوں

پاکستان کے ٹریفک انسپکٹروں کے لیے ایک سبق • ایک کردار ایک کہانی

میرا نام جان کارلسن ہے اور میں ٹریفک پولیس کا ایک افسر ہوں۔ میرے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ "یہ بڑا سخت آدمی ہے۔ مسکراہٹ تو اس کو چھو کر بھی نہیں گزری۔" آدمی بے شک میں سخت ہوں لیکن مسکراہٹ والی بات محض افواہ ہے۔ میرے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس میں مسکراہٹ کی بجائے سخت انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اکثر لوگوں کی لاپرواہی کے سبب جان لیوا حادثات رُونما ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے لاپرواہ لوگوں کو مُسکرا کر نہیں بلکہ سخت انداز اختیار کر کے ہی راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

ابھی چند دنوں پہلے کی بات ہے۔ میں ہائی وے پر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ ایک کار ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہاں سے گزری۔ جبکہ اس سڑک پر رفتار کی حد پچاس میل فی گھنٹہ تھی۔ اپنی پیٹرولنگ کار میں میں نے فوراً اس کار کا تعاقب شروع کر دیا۔ دس منٹ بعد میں اس گاڑی کو روکنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ کار کو ایک خاتون

چلا رہی تھیں۔ جب میں نے ان کو بتایا کہ وہ رفتار کی حد توڑنے کی وجہ سے قانون شکنی کی مرتکب ہوئی ہیں تو بجائے شرمندہ ہونے کے وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"آفیسر میرا خیال تھا کہ میں صحیح جا رہی ہوں۔ یوں بھی مجھے جلدی پہنچنا ہے۔"

میں نے نرمی سے کام لیتے ہوئے ان سے کاغذات طلب کیے اور جب چالان کرنے لگا تو انھوں نے شہر کے بڑے سرکاری افسران اور اپنے دولت مند شوہر کا نام لے کر مجھے ڈرانے کی کوشش کی تاکہ میں ان کا چالان نہ کروں، مگر میں نے ان کی دھمکیوں کی پروا نہ کی اور ان کا چالان کر دیا۔ جاتے جاتے وہ مجھے "تبادلے" اور "خطرناک نتائج" کی دھمکیاں دے گئیں۔ میں حیران تھا کہ میں تو اپنے قانونی فرائض ادا کر رہا ہوں۔ اور اس کے باوجود بدلے میں مجھے ہی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ میں تو کسی دھمکی سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس لیے کہ جو لوگ کسی بھی قسم کا جُرم کرتے ہیں۔ وہ قابلِ معافی نہیں ہوتے۔ ان کی دھمکیوں کا نوٹس لینا میں قطعی ضروری تصوّر نہیں کرتا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ جو کاروں اور موٹر سائیکلوں پر انتہائی تیز رفتاری سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ ان کی بہت بڑی تعداد اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ کتنی سنگین غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس غلطی کا نتیجہ ایک خوف ناک حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں خود ان کی اور دوسرے بے گناہ افراد کی زندگی کا چراغ گُل ہو جائے۔ میں نے اپنی تیرہ سال کی ملازمت میں ایسے کئی خوفناک حادثات کا نہ صرف مشاہدہ کیا ہے بلکہ زندہ بچ رہنے والوں کو معذور ہو جانے کی صورت میں بے بسی اور افسوس کا اظہار کرتے بھی دیکھا ہے۔ مگر اس وقت ان کا پچھتانا ان کے کسی کام نہیں آتا۔

اس طرح ایک روز ایک سرخ رنگ کی کار تقریباً ۸۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے میرے سامنے سے گزری۔ میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس کار میں تین ننھے مُنّے بچے پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے جبکہ اُن بچّوں کی ماں آگے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ میں نے اس شخص سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنی زندگی کی پروا نہ ہو۔ مگر پیچھے بیٹھے ہوئے ان معصوم بچوں کا تو کچھ خیال کر لیا کریں۔ آپ کی جلد بازی آپ سمیت آپ کے پورے گھرانے کو تباہ کر سکتی ہے۔"

میری اس بات پر وہ عورت تو خاصی شرمندہ نظر آ رہی تھی مگر اس آدمی کی ہٹ دھرمی ملاحظہ فرمائیے۔ اُس نے چھوٹتے ہی تڑاخ سے مجھے جواب دیا۔

"سنو آفیسر، تمہارا کام چالان کرنا ہے، لیکچر دینا نہیں۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ بچے میرے اپنے ہیں۔ میں ان کا خیال رکھوں یا انہیں مار ڈالوں، یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، سمجھے؟"

چنانچہ اس شخص کی بدتمیزی اور قانون کی سنگین خلاف ورزی پر میں نے اس کو کھینچ کر باہر نکالا۔ اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں پھر وائرلیس پر پولیس کی موبائل وین کو اطلاع دی، جو آکر اس شخص کو قریبی پولیس اسٹیشن لے گئی۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب ان کا چالان کرنے لگوں تو انتہائی لجاجت سے میرا ہاتھ تھام کر کہتے ہیں۔

"کیا ہم اس معاملے کو یہیں طے نہیں کر سکتے آفیسر؟"

میں سمجھ جاتا ہوں کہ معاملہ "طے" کرنے سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے۔ چنانچہ میں انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ "اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے حکومت مجھے معقول تنخواہ اور مراعات دیتی ہے۔ آپ کی یہ پیش کش رشوت ہے اور میں رشوت نہیں لیتا۔ آپ مجھے رشوت دینے کے لیے تو تیار ہیں۔ مگر چالان کی رقم جو حکومت کے خزانے میں جمع ہوگی۔ دینے سے کیوں گھبرا رہے ہیں؟" میری اس بات کے جواب میں کچھ لوگ تو واقعی شرمندہ ہوتے ہیں اور کچھ چالان کی رسید لے کر مجھے کسی کالج کا لیکچرر بننے کا مشورہ دیتے ہیں یا پھر وہی "تمہیں دیکھ لوں گا" والی دھمکی۔ یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ چند منٹ کی تاخیر سے پہنچنا کہیں بہتر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ کبھی بھی نہ پہنچ سکیں۔ مجھے ایک اور خوفناک حادثہ بھی یاد ہے۔ ایک چھوٹی سڑک پر ایک شخص اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ اپنی کار میں جا رہا تھا۔ اچانک ٹائر برسٹ ہوگیا۔ اس آدمی نے سڑک کے کنارے گاڑی روکی، اور اپنی بڑی بیٹی کے ہمراہ کار کا ٹائر بدلنے لگا۔ اچانک آندھی کی طرح ایک اور گاڑی آئی اور باپ بیٹی کو ٹکر مار کر انہیں ڈیڑھ سو فٹ دُور تک گھسیٹتی لے گئی۔ اس گاڑی کے ڈرائیور نے فرار ہونا چاہا۔ مگر میں نے اُس کا تعاقب جاری رکھا۔ اور وائرلیس پر اگلی چیک پوسٹ کو مطلع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص گرفتار ہو چکا تھا، مگر اس کی لاپرواہی نے دو قیمتی جانوں کا جو نذرانہ لے لیا تھا۔ اس کا بدل ممکن نہیں رہا تھا۔

اسی طرح نوجوان لڑکے اپنی موٹر سائیکلوں پر شہر کی سڑکوں پر اس طرح دندناتے پھرتے ہیں جیسے یہ سڑکیں ان کے آباؤ اجداد نے بنوائی تھیں۔ یہ نوجوان "اسپیڈ ایڈونچر" کے شوق میں بُری طرح مارے جاتے ہیں۔ یا پھر معذور ہو کر اپنے اور اپنے خاندان کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔

ان تمام افراد کے لیے میرا ایک ہی مشورہ ہے کہ خدارا قانون کی خلاف ورزی نہ کیجیے۔ ٹریفک کے ضابطوں کی اچھی طرح پابندی کیجیے تاکہ آپ کی اور دوسروں کی قیمتی زندگی محفوظ رہے۔

دُودھ کی بدولت
ریشم جیسے بال — نرم ملائم کھال
روشن روشن آنکھ — موتی جیسے دانت
کہتے ہیں کہ "صحت مند جسم صحت مند ذہن کی علامت ہے"
ماہرین برسوں کی تحقیق کے بعد دُودھ کو مکمل غذا اور صحت مند جسم کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔
اللہ میاں نے دُودھ میں کیلشیم، پروٹین وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا متوازن مقدار میں شامل کردیے ہیں۔ یہی وہ اجزاً ہیں جو اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہیں۔
اگر آپ نے ہر روز دو گلاس دُودھ پینا اپنی عادت بنالیا تو گویا آپ نے صحت مندی کا راز پالیا۔
دانائی کی بات سنو
دُودھ پیو — مضبوط بنو
اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب آنکھ مچولی۔ کراچی

شین فاروقی

آسمانی بجلی

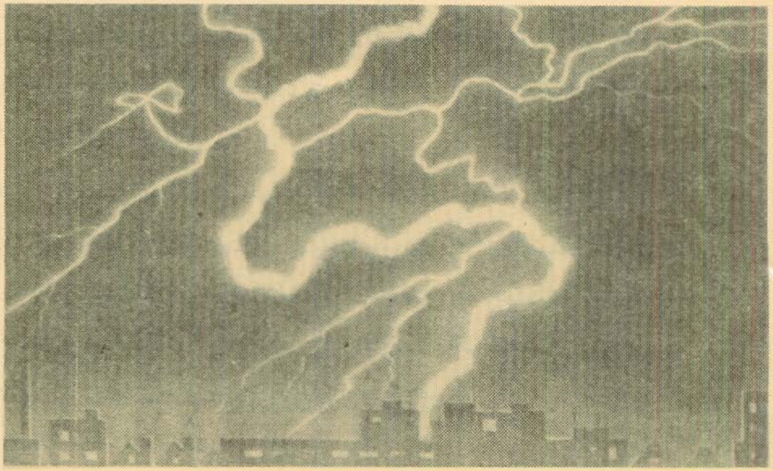

۲ر مارچ ۱۹۸۲ء

برطانیہ کے نیوفاؤنڈ سینٹر شہر کا بگسن نامی قصبہ ۔ یہ قصبہ پورے برطانیہ میں مختلف معدنیات کی کانوں کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے ۔قصبے کی آبادی سترہ سو کان کنوں پر مشتمل ہے ۔اس وقت قصبے میں رات ہو چکی ہے ۔قصبے پر معمول کے مطابق بادل چھائے ہوئے ہیں ۔قصبے کے تمام افراد اپنے کاموں سے لوٹ کر اپنے اپنے گھروں میں نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں ۔ قصبے کی ویران گلیوں میں آوارہ کتے سرگشت کر رہے ہیں ۔ یکایک قصبہ کو بجلی فراہم کرنے والے بجلی گھر کے برقی رو ماپنے والے آلے نے غیر معمولی برقی رو ریکارڈ کی ۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے قصبے کی بجلی ایک زوردار دھماکے کے ساتھ منقطع ہو گئی ۔

بجلی گھر کا پورا عملہ اس اچانک اور غیر معمولی حادثے سے گھبرا گیا لیکن اس سے قبل کہ قصبے کے لوگ بجلی چلے

جانے کے باعث اپنے بستروں سے اُٹھتے، بجلی گھر کے عملے نے انتہائی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے بجلی کے نظام کو بحال کر دیا۔

حادثے کی فوری تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پورے قصبے میں اس حادثے سے بجلی کا کوئی سامان یعنی ریفریجریٹر اور ایئر کنڈیشنر وغیرہ خراب نہیں ہوا۔ اس وقت پورے قصبے میں کسی قسم کے زمینی یا آسمانی طوفان کا کوئی نام و نشان نہ تھا تاہم جب حادثے کی وجوہات جاننے کے لیے سنجیدگی کے ساتھ تحقیقات کی گئیں تو معلوم ہوا کہ حادثے کا سبب آسمان کی بجلی ہے۔

آپ آسمان کی بجلی سے تو واقف ہیں نا! اکثر جب آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں تو یہ بجلی اُفق پر لمحے دو لمحے کو چمچما کر اور کمزور دلوں کو زور زور سے دھڑکا کر غائب ہو جاتی ہے۔ آسمانی بجلی صدیوں سے انسان کے لیے حیرت اور خوف کا باعث رہی ہے۔ یہ ایک ایسے قدرتی مظہر کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بارے میں انسان کی معلومات ابھی بہت ہی کم ہیں۔

قدرت کی اس عجیب و غریب تخلیق پر برسوں سے تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اور سائنس دان یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ آخر یہ ہے کیا؟ ۱۸۹۶ء میں ناروے کے ایک ماہرِ طبیعات کرسٹن برکلینڈ نے آسمانی بجلی کے سلسلے میں ایک مفروضہ پیش کیا تھا۔ جس کے مطابق آسمانی بجلی سورج سے خارج ہونے والے ذرات سے پیدا ہوتی ہے۔ برکلینڈ کے اس مفروضے پر اُس کے ہم وطن سائنس دان کارل اسٹرومر نے برکلینڈ کے ساتھ مل کر تجربات کیے۔ تاہم اُنہیں مفروضے کو ثابت کرنے کے سلسلے میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ اب سے تیس برس قبل جب خلائی دور کا آغاز ہوا اور خلا میں سیٹلائٹ بھیجے جانے لگے تو یہ مفروضہ سائنسی حقیقت کا روپ دھار گیا۔

تحقیق سے ثابت ہُوا کہ سورج مخصوص قسم کی تابکاری کے ساتھ ساتھ مخصوص قسم کے ذرّات بھی خارج کرتا ہے، جسے سائنس کی اصطلاح میں "شمسی ہَوا" کہتے ہیں۔ یہ ہَوا دو سو پچاس میل فی سیکنڈ کے حساب سے خلا میں داخل ہوتی رہتی ہے۔ سورج سے خارج ہونے والے یہ ذرّات جیسے ہی زمین پر پہنچتے ہیں زمین کے گرد موجود نظر نہ آنے والی مقناطیسی شیلڈ (MAGNETOSPHERE) سے آکر ٹکراتے ہیں۔ جب مقناطیسی شیلڈ پر ذرّوں کا بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے تو یہ ذرات DEFLECT ہو جاتے ہیں اور دونوں قطبین کے ساتھ جڑ کر انگوٹھی نما شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا فضا میں مخصوص قسم کے سالمے یعنی مالیکیولز پائے جاتے ہیں۔ سورج سے خارج ہونے والے یہ ذرات جب فضا میں موجود مالیکیولز کے ساتھ مل جاتے ہیں تو سائنس دانوں کے بقول آسمانی بجلی پیدا ہوتی ہے۔ زمین سے آسمانی بجلی کا پورا حصّہ نظر نہیں آتا بلکہ نہایت معمولی حصّہ نظر آتا ہے۔ البتہ خلا سے آسمانی بجلی کے پورے

ڈھانچے کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ آسمانی بجلی کے پورے ڈھانچے کا پہلا فوٹو گراف ۱۹۸۱ء میں امریکی سیٹلائٹ ڈائنامک ایکس پلورر اوّل نے کھینچا تھا۔ سیٹلائٹ نے یہ فوٹو زمین سے ۱۴۶۰۰ میل اوپر جا کر کھینچا تھا۔ آسمانی بجلی کا تعلق چونکہ سورج سے خارج ہونے والے ذرّات سے ہے اس لیے سورج کے اندرونی نظام میں ہونے والے تغیرات کا اثر براہِ راست آسمانی بجلی پر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر جب سورج میں آنے والے طوفان کے نتیجے میں سورج کی سطح پر مخصوص دھبے نظر آتے ہیں تو اُس وقت آسمانی بجلی کو سورج میں رونما ہونے والے اس عمل کے ایک دو روز بعد زمین پر دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخ میں آسمانی بجلی کا پہلا تذکرہ چار سو سال قبل مسیح کے ایک یونانی ادیب ڈیماجیس کے حوالے سے ملتا ہے جس نے آسمانی بجلی کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اُس نے آسمان میں انتہائی بڑے حجم کے جلتے ہوئے بادل کی طرح کی ایک چیز دیکھی ہے جو کسی ایک مقام پر قیام نہیں کرتی۔

عظیم ماہر فلکیات گلیلیو نے بھی اس عجیب و غریب قدرتی مظہر کے اسباب کو جاننے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ البتہ ۱۷۷۹ء میں بنجامن فرینکلن ... آسمانی بجلی کے حقیقی اسباب کے قریب قریب پہنچ گیا تھا۔ اُس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ آسمانی بجلی بادلوں میں موجود برقی رو سے پیدا ہوتی ہے۔

تاہم اب آسمانی بجلی کی جتنی وجوہات سائنسی طور پر تقریباً طے ہو چکی ہیں، البتہ اب بھی کچھ ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو سائنس دانوں کے لیے حیران کن ہوتی ہیں مثلاً بعض اوقات سورج میں بڑے طوفان کے باوجود نہایت چھوٹے حجم کی آسمانی بجلی پیدا ہوتی ہے جبکہ بعض دفعہ سورج میں آنے والے معمولی طوفان سے نہایت بڑے حجم کی آسمانی بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔

آسمانی بجلی کو دیکھ کر اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اس بجلی سے ہماری بجلی کی طرح کے کتنے وولٹ پیدا ہوتے ہوں گے؟ اس سلسلے میں ہونے والی تحقیق کے مطابق آسمانی بجلی کے بڑے مظاہرے سے زیادہ سے زیادہ دس ہزار وولٹ فی میٹر بجلی پیدا ہوتی ہے۔ البتہ یہ وولٹیج کس طرح پیدا ہوتے ہیں اس کے بارے میں ابھی سائنس دانوں کو کچھ معلوم نہیں۔

دُنیا بھر میں کینیڈا وہ واحد ملک ہے جہاں آسمانی بجلی کو تقریباً ہر رات دیکھا جا سکتا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ کینیڈا قطب شمالی کے قریب واقع ہے۔

اس وقت امریکہ، جاپان اور کینیڈا میں آسمانی بجلی کے اوپر زبردست تحقیقات ہو رہی ہیں۔ ان ممالک میں سائنس دان مصنوعی آسمانی بجلی پیدا کر کے حقیقی آسمانی بجلی کے نظام کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امکان ہے کہ آئندہ برسوں میں یہ تجربات آسمانی بجلی کے سلسلے میں نئی دریافتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔

خوفناک اژدھا بے خوف لوگ

عروج عبدالرحمٰن ، کنری

خطرات سے کھیلنا

انسانی فطرت ہے ... اگر ایسا نہ ہوتا تو پہاڑوں کی چوٹیاں کیسے سر ہوتیں سمندر کی تہوں تک کیسے پہنچا جاتا۔ فضاؤں کی بلندیوں میں اُڑنے کا خیال کبھی حقیقت نہ بنتا۔ اور انسان خطرناک جنگلی درندوں کو اپنا فرمانبردار کیسے بناتا۔ نہ صرف خطرات سے کھیلنا بلکہ خطرناک مشاغل اپنا کر اُس پر خوش ہونا بھی انسان ہی کا کمال ہے۔

آپ دیکھیے نا یہ کوئی کم خطرناک بات ہے کہ اتنے بڑے اژدہے کو کچھ لوگوں نے اپنے خاندان کا باقاعدہ رُکن بنا رکھا ہے۔ کھانے پینے سے لے کر سونے جاگنے تک اژدھا ہر لمحہ ان کے ساتھ رہتا ہے۔ اژدہے کو اپنے ساتھ ایک ہی بستر پر سُلانے کے بعد پھر گھر کے سب افراد خود بھی آرام سے سو جاتے ہیں... یہ تو واقعی حیرت کی بات ہے آئیے اس دلچسپ حقیقت کے بارے میں ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

ملائشیا کے ایک گاؤں بورنیو ویلج کے رہنے والے ان بہن بھائیوں کو چھ سال پہلے جنگل میں ایک انڈا نظر آیا۔ یہ لوگ انڈا اُٹھا کر گھر لائے تو اُس میں سے کلکاریاں مارتا ہوا ایک اژدہا برآمد ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اژدہا بڑا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ چھ سال بعد اژدہے کا وزن ۱۳۲ پونڈ اور لمبائی ۱۲ فٹ ہے اژدہے کا نام "سی بی پینگ" ہے۔ اور اب تو یہ اس خاندان کا مستقل رُکن بن چکا ہے۔ اس گھر کے سب افراد مسلمان ہیں۔ ۳ سالہ کریم تو اژدہے کا بہترین دوست ہے۔

کریم جب تک دن میں دوبار اژدہے کے ساتھ نہا نہ لے اُسے چین نہیں آتا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اس دور میں جب بعض انسان وحشی اور درندے ہوتے جا رہے ہیں ایک بھیانک اژدہا انسانوں کے درمیان رہ کر ان کا بے ضرر دوست بن گیا ہے۔

ضرر رساں دوستوں سے
بے ضرر اژدھا بہتر ہے

○ ۳ سالہ کریم خود نہاتے ہوئے اژدھے کو نہلاتے ہوئے

○ ایسا بھیانک اژدھا اتنی گہری نیند

○ ۱۲۳ کلو وزنی اور ۲۱ فٹ طویل اژدھا اٹھائے ہوئے تین بھائی

اپنے دانتوں کو
مزے سے صاف کیجئے
کرسٹل کے تین ذائقے، تینوں مزے دار
کرسٹل ریڈ جیل میں چیری، گرین جیل میں
منٹ اور کرسٹل وہائٹ میں منٹ فریش۔
کرسٹل سے برش کیجئے، ٹوتھ پیسٹ کا مزا
لیجئے دانت ہمیشہ صاف، چمکدار اور کیڑا
لگنے سے محفوظ۔
Crystal
سانس خوشگوار، دانت چمکدار
Crystal
Crystal
Crystal White

شاعرانہ روشنائی

یہ روشنائی آپ کو مل جائے تو آپ بھی شاعر بن سکتے ہیں

شاھنواز فاروقی

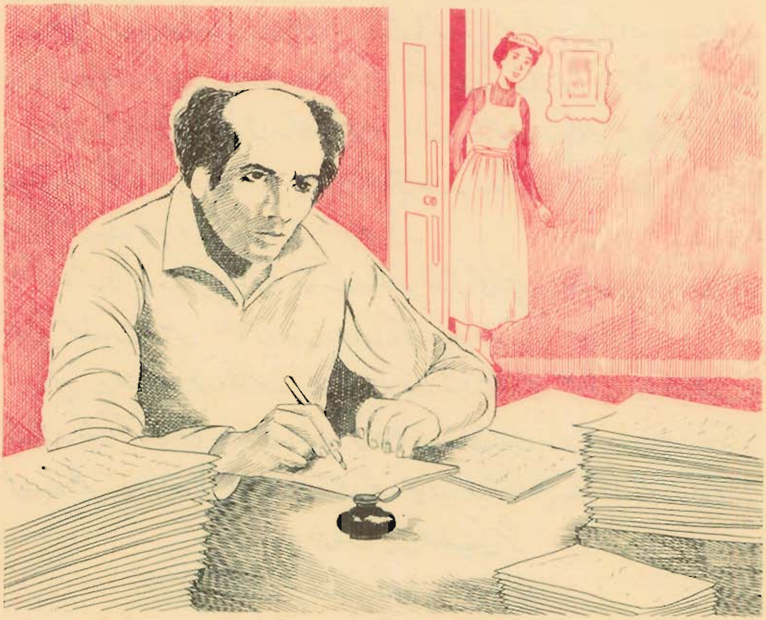

کسی زمانہ میں امریکہ کے ایک قصبے میں سائمن نام کا ایک شخص رہا کرتا تھا۔ سائمن پرچون کی دکان چلاتا تھا۔ وہ جسمانی اعتبار سے بہت پتلا دبلا تھا۔ اُس کی آنکھیں بڑی بڑی اور بال ریشم کی طرح ملائم اور لمبے تھے۔ اپنے اِس حلیہ کے باعث سائمن دکاندار سے زیادہ شاعر نظر آتا تھا۔ اِسی لئے محلّے کے اکثر لوگ اُسے دکاندار شاعر پکارا کرتے تھے۔ یہ اور بات کہ سائمن نے شعر تو کیا کبھی ایک مصرعہ بھی موزوں نہیں کیا تھا۔ سائمن کی بیوی کا نام سارہ تھا۔

سائمن ہر روز صبح آٹھ بجے دکان کھولتا اور جیسے ہی شام کے سات بجتے وہ دکان بند کر کے گھر کی راہ لیتا۔ گھر پہنچ کر سائمن آرام کرتا۔ ذہنی تھکن دور کرنے کے لئے سائمن کئی کام کیا کرتا۔ کبھی وہ بستر پہ لیٹ کر اخبار پڑھتا۔ کبھی اپنے گھر کے پچھواڑے پتھروں کے بنے ہوئے مصنوعی باغیچے کے پودوں کو پانی دیتا اور کبھی وہ کرسی پر لیٹ کر سو جاتا۔

ایک دن سائمن نے شیو کرنے کے لئے آئینہ دیکھا تو بہت دیر تک خود کو دیکھتا ہی رہا اُس نے سوچا "سب لوگ شاعرانہ حلیہ رکھنے کی بناء پر مجھے شاعر کہتے ہیں، تو کیوں نہ میں سچ مچ شاعری شروع کر دوں۔ آخر میرے پاس خیالات تو بڑے اعلیٰ ہیں۔"

یہ سوچ کر سائمن دوڑا دوڑا اپنی بیوی سارہ کے پاس پہنچا اور اُسے بتایا کہ وہ اب شاعری شروع کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ سارہ نے مسکرا کر یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "یہ منہ اور مسور کی دال"

بہر حال سائمن فوراً ہی ایک بڑا سا کاغذ قلم اور دوات لے کر کھانے کی میز پر جا بیٹھا اور کنپٹی سے ایک ہاتھ ٹکا کر شعر سوچنے لگا۔ سارہ بھی باورچی خانے سے نکل کر سائمن کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور ٹکر ٹکر اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"اگر سائمن واقعی شاعر بن گیا تو اُس کے ساتھ ساتھ میں بھی مشہور ہو جاؤں گی آخر شاعر کی بیوی ہونا کوئی معمولی بات تو نہیں!" اس خیال سے سارہ کو اپنے اوپر بڑا فخر محسوس ہوا۔

سائمن نے تھوڑی دیر غور و فکر کرنے کے بعد نظم لکھنا شروع کر دی۔ "اُف سارہ کیا عمدہ خیالات ہیں۔ یقیناً تم نے آج سے پہلے ایسے اعلیٰ خیالات نہ سنے ہوں گے اور نہ پڑھے ہوں گے"

سائمن نے نظم کے دو ابتدائی مصرعے لکھتے ہی شور مچا دیا۔ سائمن کی نظم کے ابتدائی دو مصرعے کچھ یوں تھے۔

سب شاعروں نے شیر کی تعریف کی مگر
مجھکو تو سچّی بات ہے گھوڑے سے پیار ہے

سارہ نے سائمن کی نظم کے ابتدائی دو مصرعے سنے تو یوں ہونٹ بچکائے جیسے کہہ رہی ہو۔ "اچھا تو اعلیٰ خیالات ایسے ہوتے ہیں؟" مگر اُس نے یہ کہنے کے بجائے واہ، واہ کر کے داد دی اور بولی۔ "اچھا اب آگے سنائیے۔"

"آگے کیا سناؤں۔ آگے تو بات ہی نہیں بن رہی۔ کم بخت پیار کا ہم قافیہ لفظ ہی نہیں مل رہا۔" سائمن نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

سائمن بڑی دیر تک کرسی پر بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اُس نے اُٹھ کر قلم کا نب دھویا کہ شاید اُس میں میل آگیا ہو اور اسی لئے نظم نہ ہو رہی ہو۔ نب دھو کر بھی کام نہ بنا تو اُس نے ایک کے بعد دوسرے کئی نب بدلے۔ مگر نظم دو مصرعوں سے آگے نہ بڑھی۔ سائمن کا غصّہ انتہا کو پہنچ گیا اور اُس نے اپنے لمبے لمبے بال نوچنا شروع کر دیئے۔ اُس نے نظم والے کاغذ پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں اُلٹی سیدھی شکلیں گول گول دائرے اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا۔ مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

"لگتا ہے ہماری زبان میں پیار کا ہم قافیہ لفظ ہی موجود نہیں۔" سائمن نے چڑ کر کہا۔

"تم دوسری نظم لکھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔" سارہ نے مشورہ دیا۔

سائمن کو یہ مشورہ بھایا اور اُس نے دوسری نظم لکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نظم بھی دو مصرعوں کے بعد اڑیل ٹٹو بن گئی۔ پھر سائمن نے تیسری، چوتھی، پانچویں اور نہ جانے کتنی ہی نظمیں لکھیں مگر سب نظموں کا وہی نتیجہ نکلا جو پہلی نظم کا نکلا تھا۔ اب تو حد ہو گئی تھی۔ سائمن نے قلم پٹختے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے ہر وہ لفظ جو میں استعمال کروں گا، اُس کا دوسرا ہم قافیہ لفظ نہیں ہوگا۔ اگر میری شاعری کی رفتار یہی رہی تو میں کبھی بھی شاعر نہیں بن سکوں گا۔"

دن بیتنے لگے اور سائمن شاعری نہ کر پانے کے غم میں گھلنے لگا۔ اُس کی بھوک اور نیند اُڑ گئی۔ غصّے میں اضافہ ہوگیا۔ وہ بات بات پر گاہکوں سے لڑنے لگا۔ وہ ہر وقت جہاں کہیں بھی ہوتا۔ اپنی نظموں کے آخری مصرعے کے ہم قافیہ الفاظ کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سارہ نے سائمن کی یہ حالت دیکھی تو اُسے بڑی تشویش ہوئی۔ "آخر یوں کب تک چلے گا۔" سارہ نے سوچا۔

اتفاق سے ایک دن سارہ کی نظر اخبار میں شائع ہونے والے اشتہار پر پڑی۔ اشتہار کچھ یوں تھا

"شاعروں کی توجّہ کے لیے!"

ہم نہایت فخر سے اِس دور کی اہم ترین ایجاد آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اپنا قلم ہماری بنائی ہوئی شاعرانہ روشنائی میں ڈبوئیے اور شاعری لکھیے۔

اگر ہماری روشنائی کے استعمال کے بعد آپ کو اپنی شاعری کے لئے درکار ہم قافیہ الفاظ نہ ملیں تو آپ کے پیسے واپس کر دیئے جائیں گے۔ شاعرانہ روشنائی کی ایک بوتل کے دام دس شلنگ ہیں۔"

"سائمن یہی تو چاہتا ہے۔" سارہ نے اشتہار پڑھ کر نعرہ لگایا۔ سارہ نے فوراً بازار جا کر شاعرانہ روشنائی خرید لی، مگر اُس نے اِس بارے میں سائمن کو کچھ نہ بتایا۔ سارہ کا خیال تھا کہ اگر سائمن کو پتہ چل گیا کہ اُس کی شاعری اُس کے دماغ کی نہیں بلکہ شاعرانہ روشنائی کی پیداوار ہے تو اُسے بڑا

صدمہ ہوگا۔ سارہ نے سائمن کی روشنائی کی دوات کو خالی کر کے دھوڈالا اور اُس میں شاعرانہ روشنائی بھر دی پھر اُس نے اطمینان کا سانس لیا کہ شاید اب گھر میں کچھ سکون ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد سائمن باہر سے آیا اور آ کر کھانے کی میز پر حسبِ معمول شاعری کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ سائمن نے ایک بڑا سا کاغذ میز پر پھیلا اور پھر قلم لے کر دوات میں ڈبویا۔ اُس کا خیال تھا کہ ہر بار کی طرح اِس بار بھی وہ نظم کے صرف دو مصرعے ہی لکھ پائے گا۔ اور اُس کے بعد وہی جھنجھلاہٹ ہوگی جو پچھلے کئی ہفتوں سے نظم نہ لکھ پانے کے باعث ہوتی ہے۔ ہمیشہ کی طرح اِس بار بھی اُس نے نظم کے ابتدائی دو مصرعے پانچ منٹ میں لکھ ڈالے مصرعے کچھ یوں تھے۔

گرمی کے دن میں یارو
تتلی سا میں اُڑوں گا

پھر اچانک ہی سائمن کے قلم سے دوسرے کے بعد تیسرا اور پھر چوتھا مصرعہ بھی لکھا گیا۔

پر شام ہوتے ہوتے
شاید گٹر میں ہوں گا

سائمن نے جیسے ہی نظم کا چوتھا مصرعہ مکمل کیا۔ وہ خوشی سے یوں اُچھلا کہ اُس کا سر چھت سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"ہُرّے۔ میں شاعر بن گیا ہوں" سائمن چیخا۔

سارہ نے سائمن کی آواز سنی تو دوڑی دوڑی آئی۔

"میں شاعر بن گیا ہوں" سائمن نے سارہ کو دیکھ کر ایک بار پھر زوردار نعرہ لگایا۔

"مبارک ہو" سارہ نے شوخی سے کہا۔

"اب میں اور نظمیں بھی لکھ سکوں گا" سائمن نے خوشی سے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں!" سارہ نے اُس کی ہمت بندھائی۔

"تو کیوں نہ میں گھوڑے والی نظم مکمل کر لوں" سائمن نے کہا اور پھر اُس نے نظم نکال کر قلم کی روشنائی میں ڈبویا اور لکھنے لگا

سب شاعروں نے شیر کی تعریف کی مگر
مجھ کو تو سچّی بات ہے گھوڑے سے پیار ہے

ہوتا ہے شیر دشمنِ انسان ، پر عزیز
گھوڑا بہت شریف، بڑا تابعدار ہے

"ارے میں نے دوسری نظم بھی مکمل کر لی"، سائمن نے نظم کا چوتھا مصرعہ لکھتے ہی آواز لگائی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سارہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"اب میں شاعر بن چکا ہوں۔ لہٰذا میں کل سے دکان پر نہیں بیٹھوں گا۔ اب میں صبح سے شام تک صرف شاعری کیا کروں گا"

"کیا کہا...... اب تو تم دکان پر نہیں بیٹھو گے؟" سارہ نے حیرت سے سائمن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں ..... ہاں۔ میں نے یہی کہا۔ بھلا ایک شاعر، آٹا، دال بیچتے ہوئے اچھا لگے گا؟" سائمن نے جواب دیا۔

"تو پھر کون بیٹھے گا دکان پر؟" سارہ نے سوال کیا۔

"تم پیاری تم ..... اور کون!" سائمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اِس کے بعد سارہ اور سائمن کے درمیان بڑی طویل اور زوردار بحث ہوئی مگر بالآخر سارہ دکان پر بیٹھنے کے لئے تیار ہوگئی۔ شاید بے چاری کو اُمید تھی کہ وہ بھی عنقریب سائمن کے ساتھ ساتھ مشہور ہو جائے گی۔

ابتداء میں تو بے چاری سارہ نے گھر اور دکان دونوں جگہ کی ٹھیک دیکھ بھال کی، مگر اکیلی جان کیا کیا کرتی۔ ہوتا یہ کہ گاہک دکان پر گھی مانگ رہا ہے اور اُدھر چولہے پر ہنڈیا جل رہی ہے۔ سارہ اُس وقت کو کوستی جب اُس نے سائمن کے لئے شاعرانہ روشنائی خریدی تھی۔

دوسری طرف سائمن صبح سے شام تک بیٹھا نظمیں لکھتا رہتا۔ جس کمرے میں بیٹھ کر سائمن نظمیں لکھتا تھا۔ وہ پورا کاغذوں سے اٹا پڑا تھا۔ میز پہ کاغذ، بستر پہ کاغذ، یہاں تک کہ باتھ ٹب اور کنستروں میں بھی سائمن کی لکھی ہوئی نظمیں موجود تھیں۔

سارہ کی ایک اور بھی مشکل تھی۔ بے چاری جب شام کو تھک ہار کر تھوڑی دیر سستانے کے لئے سائمن کے پاس بیٹھتی تو وہ اُسے نظمیں سنانے لگتا۔ سارہ چڑ جاتی۔

مگر سارہ کی اصل مشکل اُس وقت شروع ہوئی جب خود اُس نے بدحواسی میں ایک دن شاعرانہ روشنائی استعمال کر لی۔ ہُوا یہ کہ دکان پر گاہکوں کی بھیڑ لگی تھی۔ سارہ جلدی جلدی پنسل سے ایک کاغذ پر

حساب لکھ رہی تھی۔ کہ پنسل ہاتھ سے گر کر کنستروں کے درمیان کہیں جا پڑی۔ سارہ نے جلدی سے بے دھانی میں سائمن کا قلم اور دوات اُٹھائی اور گاہکوں کو بل بنا کر دے دیئے۔ سارہ کو خیال تک نہ آیا کہ اُس نے شاعرانہ روشنائی استعمال کر لی ہے۔ اُسے تو یہ بات تب معلوم ہوئی جب کئی گاہک بل لیکر ناراض ہوتے ہوئے اور مذاق اُڑاتے ہوئے سارہ کے پاس پہنچے۔ انہی میں سے سارہ کی ایک گاہک خاتون آئی اور بولی۔

"ذرا اپنے بنائے ہوئے بل کو دیکھئے! کیا بل اِسی طرح بنائے جاتے ہیں۔" بِل کچھ یوں لکھا ہوا تھا

محترم نادیہ آپ کا شکریہ
آپنے شاپ سے دو کلو گھی لیں
دو کلو گھی کا کُل چھ شلنگ بل بنا

"میرے خدا لگتا ہے میں نے شاعرانہ روشنائی استعمال کر لی ہے"۔ سارہ بل دیکھ کر بڑبڑائی اور سائمن کے کمرے کی طرف دوڑی۔

"آؤ سارہ آؤ۔ میں نے ایک اور نظم لکھی ہے بیٹھو میں تمہیں سناتا ہوں"۔ سائمن نے سارہ کو دیکھتے ہی کہا۔

"بھاڑ میں گئی تمہاری نظم"۔ سارہ پھٹ پڑی اور اُس نے شاعرانہ روشنائی کی دوات اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پچھواڑے میں بنے ہوئے پتھروں کے مصنوعی باغیچے میں پھینک دی۔ سائمن بوکھلایا ہوا سا سارہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آخر ہوا کیا؟"

"کچھ نہیں! بس آج سے تمہاری شاعری وائری ختم۔ اب تم کل سے پہلے کی طرح دکان پر جاؤ گے" سائمن نے سارہ کو اتنے غصّے میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اِس لئے ڈر گیا۔ اور اُس نے شاعری نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اور اگلے روز سے دکان پر بیٹھنے لگا۔

شاعری چھوڑ دینے کی جہاں ایک وجہ سارہ کا غصّہ تھا۔ وہیں دوسری وجہ شاید یہ تھی کہ سائمن خود بھی شاعری کرتے کرتے کچھ بور ہو گیا تھا۔

مگر سارہ کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ شاعرانہ روشنائی کی دوات پتھروں کے مصنوعی باغیچے میں اُلٹ مصیبت سے اُسکی جان چھوٹ گئی ہے ہُوا یوں کہ پتھروں کے مصنوعی باغیچے میں اس بار سائمن نے طرح طرح کے پھول

لگائے ہوئے تھے۔ جو اُگ کر نہیں دے رہے تھے۔ مگر شاعرانہ روشنائی کے گرنے کے چند روز بعد ہی پھولوں کے یہ پودے کچھ یوں اُبھر اُبھر کر سامنے آئے جیسے شاعرانہ روشنائی کے گرنے ہی کے منتظر تھے چنانچہ اب سائمن کے گھر کے پچھواڑے واقع پتھروں کا مصنوعی باغیچہ طرح طرح کے پھولوں سے بھر گیا۔ سائمن کا جاننے والا جو شخص بھی اُس کے گھر کے پچھواڑے کے سامنے سے گزرتا طرح طرح کے کِھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کر بے اختیار سائمن اور سارہ سے کہتا۔

"آپ کا باغیچہ اِس قدر خوبصورت ہے کہ لگتا ہے جیسے یہ باغیچہ نہیں بلکہ کسی بڑے شاعر کی خوبصورت سی نظم ہے۔"

سارہ لوگوں کے اِس طرح کے تبصرے سنتی تو جل جاتی اور اُس وقت کو کوستی جب اُس نے شاعرانہ روشنائی کا اشتہار پڑھا تھا۔ سائمن سارہ کو باغیچہ کی تعریف سن کر جلتے دیکھتا تو حیران ہوتا۔

(بنیادی خیال ماخوذ)

گر سوچ لیتے

سخت سردی کا موسم تھا اور تیز بارش ہو رہی تھی۔ ایک بھوکی سیہ سردی اور پانی سے بچنے کے لئے کسی جگہ کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی کہ ایک پُرانے درخت کے تنے میں سوراخ دیکھ کر ٹھٹکی۔ اندر جھانکا تو ایک اژدھا نظر آیا۔ سیہ نے گڑگڑا کر کہا۔ "بھیّا اژدہے، مجھے سخت سردی لگ رہی ہے۔ اور زبردست بھوک بھی۔ کیا آپ مجھے اپنے گھر میں کچھ دیر ٹھہرنے کے لئے جگہ دیں گے؟" اژدھے کو اس پر رحم آ گیا۔ بولا "آ جاؤ۔ بڑی خوشی سے"۔ سیہ اندر چلی گئی آرام سے ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ اژدھے نے اسے کچھ کھانے کو بھی دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب سیہ کے جسم میں توانائی آئی تو وہ درخت کے کھوکھلے تنے میں بڑی بے پروائی سے ادھر اُدھر پھرنے لگی۔ سیہ کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں۔ کانٹے اژدھے کے بدن میں چبھے تو اسے بہت تکلیف ہوئی۔ وہ نرمی سے کہنے لگا "سیہ بہن بارش ختم ہو گئی ہے۔ اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔ اس سوراخ میں ہم دونوں میں سے صرف ایک ہی رہ سکتا ہے۔"

سیہ نے جواب دیا "مجھے یہ سوراخ بہت پیارا ہے، میں یہیں رہوں گی۔ تم چاہو تو خوشی سے جا سکتے ہو۔"

اژدھے نے کہا، "اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں تمہیں ہرگز اندر نہ آنے دیتا۔"

سیہ نے جواب دیا، "یہ تمہاری غلطی ہے تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھے بلانے سے پہلے میرے کانٹوں کو ٹٹول دیکھ لیتے"۔ بے سوچے سمجھے کام کرنے سے ہمیشہ مصیبت اٹھانا پڑتی ہے۔

مرسلہ:- حافظ محمد اکرم سیالوی

کھٹّے میٹھے

انعامی لطیفہ

میاں بیوی کسی مسئلے پر جھگڑ رہے تھے آخر شوہر بولا۔ "بیگم! ہمیں یہ مسئلہ عقل سے حل کرنا چاہیے" بیگم غصے سے بولیں: "ہاں ہاں تاکہ تم جیت جاؤ۔"

ہارون احمد۔ خانیوال

دادا (عابدہ سے) "بیٹا! دل لگا کر پڑھا کرو"
عابدہ "مگر آپ تو عینک لگا کر پڑھتے ہیں"

زاہد اقبال، کراچی

ایک بوڑھا شخص جنگل سے گزر رہا تھا کہ ایک شیر نے اُس کا راستہ روک لیا اور بولا "میں تمہارا خون پی جاؤں گا" بوڑھے نے کہا کہ "میرا خون تو ٹھنڈا ہے میرے پیچھے ایک نوجوان آ رہا ہے اُس کا خون گرم ہے وہ پی لینا" شیر بولا "نہیں آج میرا دل کولڈ ڈرنک پینے کو چاہ رہا ہے"

گُل خرم گل۔ نواب شاہ

ایک ظالم حکمران جس سے ساری رعایا ناخوش تھی، ایک دن ہیلی کاپٹر میں سفر کر رہا تھا، اُس نے کہا "چلو میں نیچے سو روپے کا نوٹ پھینک دیتا ہوں جس کے ہاتھ لگے گا وہ مجھ سے خوش ہو جائے گا" پھر کہنے لگا "پچاس پچاس کے دو نوٹ پھینک

دوں تاکہ دو آدمی خوش ہو جائیں"

بادشاہ کا وزیر بولا "آپ خود ہی چھلانگ لگا دیں تو ساری قوم خوش ہو جائے گی"

میاں مظہر اقبال آرائیں ۔ ملتان

اُستاد (شاگرد سے) آج تم نے جو سب سے عجیب واقعہ دیکھا ہو بیان کرو"

شاگرد "جناب آج میں نے چند آدمیوں کو ایک گھوڑا بناتے دیکھا"

اُستاد "لکڑی کا گھوڑا؟"

شاگرد "جی نہیں اصلی گھوڑا۔ جیتا جاگتا گھوڑا۔ لیکن جب میں نے دیکھا تو وہ تقریباً اُسے مکمل کر چکے تھے اور اُس کے کھروں میں میخیں ٹھونک رہے تھے"

علی گوھر چوہان ۔ کروڑ پکّا

ریڈیو اناؤنسر نے اعلان کیا "اب آپ ایک ساز ینہ سُنیے، سازینے کا عنوان ہے "سناٹا"

اس کے بعد ریڈیو پر خاموشی چھا گئی۔ دس منٹ بعد اناؤنسر کی آواز دوبارہ سُنائی دی "ہمیں افسوس ہے کہ نشریاتی رابطے میں خرابی کے باعث آپ ہمارا پروگرام نہ سُن سکے"

لیکن اسٹیشن ڈائریکٹر اُس وقت حیران رہ گئے جب اگلے روز اُنہیں ایسے بے شمار خطوط موصول ہوئے جن میں کہا گیا تھا۔

"جناب والا" سناٹا جیسے پروگرام روزانہ دو دو ڈیڑھ

گھنٹے کے لیے باقاعدگی سے نشر کریں، ہم پر کرم ہوگا"

فہیم مظہر، نارتھ ناظم آباد کراچی

دُبلے پتلے نومی میاں پین سے کچھ لکھ رہے تھے۔ تیز ہوا کے جھونکے آنے لگے تو ایک دوست نے دوسرے دوست کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا "یار ہوا تیز چلنے لگی ہے میں تو ڈر رہا ہوں کہیں تیز ہوا نومی کو نہ اُڑا لے جائے"

"نومی میاں ہرگز نہیں اُڑ سکتے" دوسرے دوست نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھ نہیں رہے اُس نے پین پکڑ رکھا ہے"

محمد ندیم ۔ اسلام نگر۔ بلدیہ ٹاؤن، کراچی نمبر ۱۸

ایک فرانسیسی نوجوان تین سال تک لندن میں رہ کر انگریزی کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ جب وہ وطن واپس جانے لگا تو اپنے اُستاد سے الوداعی ملاقات کرنے گیا۔ اُس نے جذباتی آواز اور غلط سلط انگریزی میں اُستاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "استادِ مُحترم آپ نے جس توجہ اور محنت سے مجھے انگریزی پڑھائی ہے اس کا میں شکر گزار ہوں، برائے کرم مطلع فرمائیں

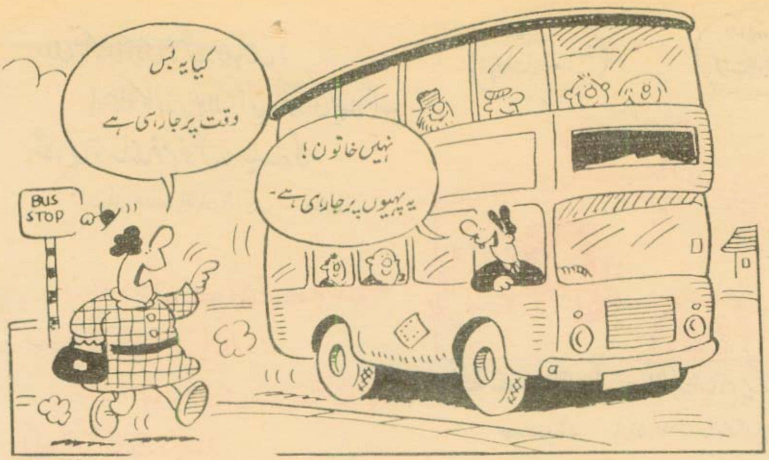

میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں" اُستاد نے جواب دیا: "تم میری بس ایک ہی خدمت کر سکتے ہو۔ اور وہ یہ کہ جب تم وطن واپس جاؤ تو وہاں کسی کو یہ مت بتانا کہ تمہیں انگریزی میں نے پڑھائی ہے۔"

محمد سلیم ۔ نئی کراچی

بیٹا اپنے پادری باپ سے: "ابا میں نے آج تین کلو کی ایک مچھلی پکڑی۔"

پادری (بیٹے سے) "اس میں حیرت کی کیا بات ہے، ہم تو جوانی میں ساٹھ ساٹھ کلو کی مچھلیاں پکڑتے تھے۔ مگر۔۔۔"

بیٹا جلدی سے: "مگر کیا؟"

باپ: "جب سے میں پادری بنا ہوں میں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے۔"

قمر محمود ۔ نشتر روڈ سکھر

اُستاد (شاگرد سے) "چینی اور مصری میں کون سی خاصیت مشترک ہے؟"

شاگرد: "جناب دونوں شربت بنانے کے کام آتے ہیں۔"

خالد اقبال ۔ صادق آباد

"دیکھو جوان!" کمپنی کمانڈر نے چرس کے نشئی سپاہی سے کہا: "چرس نہ پیا کرو نشے کے عادی رہو گے تو حوالدار، نائب صوبیدار اور صوبیدار نہیں بن سکو گے۔"

"لیکن جناب!" سپاہی نے جواب دیا: "میں چرس کے دو کش لگاتا ہوں تو فوراً بریگیڈیئر بن جاتا ہوں۔"

محمد ریحان ۔ اسلام آباد

اُستاد (شاگرد سے) باغ کی مؤنث بتاؤ۔"

شاگرد (جلدی سے) "جناب باغی۔"

قسور امین ۔ فیصل آباد

دو سکھ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ٹرین چلی تو اُن کے درمیان کچھ یوں گفتگو ہوئی۔

پہلا سکھ (دوسرے سے) "آپ کہاں کے رہتے

والے ہیں؟"

دوسرا سکھ: "میں دہلی کا رہنے والا ہوں۔۔۔"

اور آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟"

پہلا: "میں بھی دہلی کا رہنے والا ہوں!"

دوسرا: "دہلی میں آپ کون سے محلے میں رہتے ہیں؟"

پہلا: "کشن گنج میں"

دوسرا: "میں بھی وہیں رہتا ہوں۔۔۔ آپ کا مکان نمبر کیا ہے؟"

پہلا: "دو سو تین"

دوسرا: "میں بھی اُسی مکان میں رہتا ہوں"

ان دونوں سکھوں کے برابر میں ایک اور شخص بیٹھا تھا۔ وہ اُن کی گفتگو پر حیران ہوا اور بولا: "کمال ہے آپ ایک ہی شہر ایک ہی محلے اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے؟"

پہلا سکھ: "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم دونوں بھائی ہیں۔ اس وقت ہم وقت گزارنے کے لیے آپس میں باتیں کر رہے ہیں"

فرحت العین۔ سیالکوٹ

"کیا تم موت کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہو؟"

مالک نے آفس بوائے سے پوچھا۔

"نہیں جناب! بالکل نہیں!" آفس بوائے نے جواب دیا۔

"لیکن میرا یقین پختہ ہو گیا ہے" مالک نے کہا "کیونکہ کل تم اپنے جس دادا کے جنازے میں شرکت کے لیے چھٹی لے کر گئے تھے۔ وہ آج تمہاری تلاش میں یہاں آئے تھے"

حامد علی شاہد۔ لاوہ، چکوال

ایک شخص نے اپنے دوست کو خط لکھا کہ "مجھے روپوں کی سخت ضرورت ہے اُمید ہے کہ تم میری مدد کرو گے" اُس کے دوست نے خط کا جواب لکھتے وقت تمام روپے جیب سے نکال کر میز پر رکھ دیے اور خط لکھا "خدا کی قسم میری جیب میں اس وقت ایک پیسہ بھی نہیں ہے اگر ہوتا تو میں تمہاری مدد ضرور کرتا"

ندیم خان عمار یاسر۔ سوسائٹی، کراچی

ایک فقیر نے کسی راہ گیر سے کہا "بابو! اللہ کے نام پر میری کچھ مدد کرو، میرا سارا گھر جل گیا ہے"

راہ گیر: "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تمہارا گھر جل گیا ہے"

فقیر: "ثبوت گھر کے ساتھ جل گیا ہے"

غلام محمد۔ اعظم بستی

ساون کا بادل

سمندر میرا گھر ہے! گھر سے میں جب بھی نکلتا ہوں
زمیں پر کچھ نہ کچھ حالات کا نقشہ بدلتا ہوں

ہوا جب گود میں لے کر مجھے پرواز کرتی ہے
فضا اُس کے مقدر پر سُنا ہے ناز کرتی ہے

مسرّت سے مری آمد پہ بچّے رقص کرتے ہیں
مرے کھنکھارنے پر چونکتے ہیں اور ڈرتے ہیں

مرے زیرِ اثر ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں
فضا میں ہر طرف چیلیں اُڑانیں بھرنے لگتی ہیں

مرے آتے ہی باغوں میں ہزاروں جھُولے پڑتے ہیں
گھروں میں سُرخوشی آتی ہے اور پکوان پکتے ہیں

چھُپا کر خود میں سورج کو، میں دِن میں رات کرتا ہوں
ذراسی جھُرجھُری لے لوں تو پھر برسات کرتا ہوں

مری ہستی ہے پانی، میں ہوا کا نرم آنچل ہوں
مجھے پہچانتے ہیں آپ! میں ساون کا بادل ہوں

شاہ نواز فاروقی

ایک طالب علم کی کہانی

پروفیسر حشمت اللہ لودھی

ایک طالب علم جغرافیہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک جا رہے تھے۔ کہ دوران سفر ہوائی جہاز میں اعلان ہوا۔

"خواتین و حضرات! ہمیں یہ اعلان کر کے مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ ہم اس وقت عین خط استواء پر سے گزر رہے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ طالب علم نے جھٹ اپنا بیگ کھول، دوربین نکالی اور نیچے کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر دیکھنے کے بعد جھنجھلا کر بولے۔ "کیا لغویت ہے۔ کہاں ہے خط استواء۔ ہمیں تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ قریب ہی جہاز کے عملے کا ایک فرد جو موجودہ دور کے طالب علم کی چند باتوں پر بہت نالاں تھا اور انہیں ناپسند کرتا تھا۔ ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھا اور نہایت چستی سے طالب علم مذکور کے سر سے ایک بال کھینچ کر دوربین کے سامنے عدسوں پر تان کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا ذرا غور سے دیکھئے۔ خط استواء ضرور نظر آ رہا ہو گا۔ اُس کے اس طرح کہنے پر طالب کو کچھ یقین سا ہو گیا اور اب جو غور سے دیکھا تو خجالت مٹاتے ہوئے بولے جی ہاں! اعلان بالکل ٹھیک تھا۔ مجھے بھی خط استواء نظر آ رہا ہے۔ بالکل کالی سڑک کی مانند ہے اور وہ دیکھئے اس پر ایک بھینس بھی چل رہی ہے۔ کہنے والوں نے کہا کہ بھینس تو خیر کیا چلتی ان کے بال کے اوپر، جوں چل رہی ہوگی۔ اور ہو بھی سکتا ہے بُری طرح بڑھے ہوئے

خودرو گھاس کی مانند بالوں میں جو آج کل کے طالب علموں کی امتیازی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جوں نہیں تو کیا بھینس ہوگی۔ ویسے واللہ اعلم الصواب!

خیر صاحب یہ قصہ تو رہا ایک طرف، امتحانات کے زمانے میں آپ کو کچھ بے موسمی لگ رہا ہوگا۔ لہٰذا بات موسم کے مطابق کئے دیتا ہوں۔ آج جس طالب علم سے پوچھئے کہ پرچے کیسے ہو رہے ہیں۔ یہی کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے۔ اچھے ہو رہے ہیں۔ لیکن نتیجہ نکلنے کے بعد معلوم کیجئے۔ تو بڑا تعجب ہوگا۔ اکثریت یہ نہیں کہتی کہ خدا کا شکر ہے پاس ہوگیا ہوں۔ بلکہ یہ کہنے والے بہت ملتے ہیں۔ کہ بس صاحب ایک مضمون میں رہ گیا۔ وہ بھی ایک نمبر سے فیل ہوگیا ہوں ایک طالب علم کے اس جواب پر جب میں نے کرید کرنا شروع کی کہ بھئی ایک نمبر سے کیسے فیل ہو گئے آپ۔ ایک نمبر کی کمی ہو تو رعایتی پاس ہو جاتا ہے آدمی۔ تو فرمانے لگے کہ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک نمبر اور آتا تو میں دس نمبروں کی رعائت کا مستحق قرار پاکہ پاس کر دیا جاتا۔ ان کا جواب سن کر میں نے دل میں سوچا کہ بہت خوب، بات کی بات بن گئی۔ فیل ہونے کی خجالت میں کچھ کمی ہوگی۔ یہ گیارہ نمبروں سے فیل ہونے کے بعد ایک نمبر سے فیل بتانے کی منطق بھی عجیب اور کچھ ایسی معلوم ہوتی ہے۔ جیسی کہ ہمارے ایک ہم پیشہ ساتھی نے ہمیں بتائی تھی وہ مقامی کالج میں منطق کے مشہور استاد ہیں۔ اور وہ چونکہ ہر سال ہی ممتحن ہوتے ہیں۔ میں ان کا نام بتا کر ان کی تکلیف میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ ایک بار مجھ سے کہنے لگے۔ پچھلے امتحان کی کاپیاں ہوتے ایک عجیب وغریب جواب نگاہ سے گزرا۔ آپ کو بھی سنائے دیتا ہوں۔ کہ پرچہ میں ایک سوال تھا کہ منطق کی تعریف بیان کیجئے اور مثال دے کر اس کی وضاحت کیجئے۔ تو ایک طالب علم نے جواب لکھا کہ صاحب منطق کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اور ایک ناچیز حقیر پرتقصیر طالب علم کیا کر سکے گا۔ اس تعریف کی جب اس کا احاطہ کرنے سے بڑے بڑے فلسفی اور ماہرین قاصر ہیں۔ ہاں ایک مثال دیئے دیتا ہوں جس سے منطق کی صحیح تعریف سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اور اس کی وضاحت بھی ہو جائے گی اس ابتداء کے بعد انہوں نے ایک قصہ رقم فرمایا تھا کہ ایک صاحب اپنے بیٹے کے ہمراہ حلوائی کی دکان پر گئے اور ایک سیر گلاب جامن دینے کو کہا۔ حلوائی نے ذرا قرب ظاہر کرتے ہوئے بات نکالی کہ صاحبزادے آج بہت عرصہ کے بعد دکان پر آئے ہیں آپ کے ساتھ۔ کیا کر رہے ہیں آجکل؟ باپ نے بے اعتنائی جواب دیا کہ کیا کر رہے ہیں۔ ابھی تو زیر تعلیم ہیں اور منطق کا امتحان دے کر آئے ہیں۔ نہ حلوائی نے چونک کر اس سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔ تو فرمایا کہ بھائی اس وقت تو جلدی میں ہیں۔ گھر پہ مہمان بیٹھے ہیں۔ کل یہ

صاحبزادے خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتا جائیں گے۔ دوسرے دن صاحبزادے حلوائی کی دکان پر پہنچے اور کہنے لگے۔ میاں صاحب ایک سیر گلاب جامنیں دیجئے۔ حلوائی نے گلاب جامنیں دے دیں۔ طالب علم صاحب نے مٹھائی کا لفافہ ہاتھ میں لے کر واپس کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ اس کے بدلے میں ایک سیر بالوشاہیاں دے دیجئے۔ حلوائی نے بالوشاہیاں دیں اور بغیر قیمت ادا کیے چل پڑے۔ حلوائی نے بڑھ کر پوچھا کہ بھائی کیا کرتے ہیں۔ بالوشاہی کے پیسے تو دے دیجئے۔ تو فرمانے لگے کہ بالوشاہی کے پیسے وہ کیسے۔ یہ بالوشاہیاں تو میں نے گلاب جامنوں کے بدلے میں لی ہیں۔ حلوائی بولا۔ تو بھیا۔ گلاب جامنوں کے پیسے دے دو۔ اس پر فرمایا کہ گلاب جامنیں وہ تو میں نے تمہیں واپس کر دیں۔ حلوائی بے چارہ خاموش منہ تکنے لگا۔ تو طالب علم یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ بھائی اسی کو منطق کہتے ہیں اور یہ تو محض دیباچہ ہے۔ اصل کتاب تو کسی اور موقع پر شروع کراؤں گا۔ تم فکر مت کرو۔ انشاء اللہ ایک ایک سبق اچھی طرح یاد ہو جائے گا۔ بس یہ سننا تھا کہ حلوائی پورے قد سے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور عاجزی سے فریاد کرنے لگا۔ کہ بھائی یہ تو بڑا اچھا کام ہے اس سے تو میرا کاروبار بغیر دکان کے ہی چمک جائے گا۔ پھر بولا۔ مگر آپ خود منطق سکھانے کی زحمت نہ کریں۔ صرف اپنے استاد کا نام اور پتہ بتا دیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر خود براہ راست ان سے ہی سبق لے لوں گا۔ طالب علم نے جو حلوائی کو عاجزی کرتے دیکھا تو اصل بات نہ چھپا سکے۔ اور کہنے لگے کہ بھائی میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں تو اپنے بہت سے دوسرے طالب علم ساتھیوں کی طرح بے استاد ہوں۔ تم اصرار کرتے ہو تو بتا دیتا ہوں کہ ہمارے ادارے میں ایک صاحب منطق کے استاد ہیں۔ مگر ان کو عملی تجربہ حاصل نہیں ہے ان کا علم صرف کتابوں تک محدود ہے۔

۱۰۴ر صفحات پر مشتمل

راہنما

سچی قرآنی کہانیوں کا خوبصورت مجموعہ

قرآن کی یہ سچی کہانیاں بچوں کی تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں

اس کے حصول کے لیے ۱۰ر روپے کا منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ ارسال کر دیجیے

A CUSTOM MADE VEHICLE FOR YOU

پروفیشنٹ

ہمارے ملک میں پہلی بار

آپ کی اپنی ضرورت کے مُطابق گاڑی

پٹرول انجن یا ڈیزل؟
جو آپ پسند فرمائیں۔

اسٹیل یا فائبر گلاس باڈی؟
جو بھی آپ چاہیں۔

اسکول وین یا ایمبولینس؟
ہم آپ کی ضرورت کے مطابق تیار کریں گے

آپ رنگ پسند کرلیں!
ہم آپ کی خواہش کا احترام کریں گے۔

مزید کوئی اور ردّوبدل؟
ہر ضرورت جو آپ کے لئے مناسب ہے
ہمارے لئے ممکن ہے۔

بکنگ
20.000 روپے میں
این ڈی ایف سی کی معرفت

پروفیشنٹ
حقیقت پسند بنیئے۔ پاکستانی گاڑی خریدیئے!

ونمارک
انٹرنیشنل (پرائیویٹ) لمیٹڈ

MASS

محمد سلیم مُغل

پپرٹ کے پپّا کی باتیں

پاکستان میں جدید پُتلی کے خالق جناب قیصر فاروق سے دلچسپ گفتگو

انکل سرگم اور قیصر فاروق ٹی وی کے پروگرام سلور جوبلی میں

ٹیلی ویژن شوق سے دیکھنے والے بچے منگل کی شام کا انتظار بڑی بے چینی سے کرتے ہیں ۔ اگر آپ بھی ٹی وی شوق سے دیکھتے ہیں تو یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے ۔۔۔

منگل کی شام کو اسلام آباد ٹی وی سینٹر سے بچوں کا مقبول پروگرام کلیاں ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے ،

جی ہاں وہی "انکل سرگم والا" کلیاں۔

"کلیاں" سب سے پہلے ۱۹۷۶ء میں ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔ اس وقت بھی یہ پروگرام شوخیوں اور شرارتوں سے سجا ہوتا تھا۔ اور اب بھی اس میں مسکراہٹیں بکھری ہوتی ہیں۔ بس فرق اتنا ہے کہ پہلے یہ پروگرام صرف بچّوں کے لیے ہوا کرتا تھا۔ مگر اب اسے بچّوں کے علاوہ گھر کے دیگر افراد بھی بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ اس پروگرام میں نظر آنے والے کردار اور ان کی اُوٹ پٹانگ حرکتیں بچّوں کے چہروں کو رعنائی عطا کر رہی ہوتی ہیں تو ان کرداروں کے منہ سے نکلنے والے طنزیہ مکالمات بڑوں بڑوں کے چھکے چھڑا رہے ہوتے ہیں۔

کلیاں کا سب سے خوبصورت اور پروگرام پر چھایا ہوا کردار "انکل سرگم" ہے۔ جیسی شکل وصورت ویسی ہی آواز اور لب ولہجہ بھی۔ کبھی مذاق اُڑاتا ہوا، کبھی طنز کرتا، اور کبھی بظاہر سنجیدہ گفتگو کرتا ہوا۔ یہ کردار لوگوں کو ایسا پسند آیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ کردار بچّوں بڑوں سبھی کے دلوں میں راج کرنے لگا۔ انکل سرگم کو ایسی شہرت ملی کہ چھالیہ اور سونف سپاری سے لے کر ٹافیوں اور کھٹ مٹھوں، بسکٹوں کے ڈبّوں سے اسٹیکر تک نصاب کی کتابوں سے کیلنڈروں اور ڈائریوں تک ہر جگہ انکل سرگم نظر آنے لگے۔

میں نے ارادہ کیا کہ قہقہہ نمبر کے لیے انکل سرگم کے خالق سے ایک دلچسپ سے انٹرویو کروں مگر لمبی مسافتیں آڑے آگئیں لیکن پھر خوش قسمتی سے ہُوا یوں کہ گذشتہ دنوں مجھے اچانک کسی کام سے اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ اسلام آباد کا قیام اس ملاقات کا بہانہ بن گیا۔ جس کا میں ایک عرصے سے خواہشمند تھا۔

ہم اسلام آباد ٹی وی سینٹر کے پروگرام مینیجر جناب محسن علی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے محسن صاحب نے ایک صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم انھیں پہچانتے ہو؟"

جی انہیں کون نہیں جانتا، یہ فاروق قیصر ہیں۔ انکل سرگم کی روح، کلیاں کی جان، مجھے تو ان کی تلاش تھی۔

فاروق قیصر بڑے تپاک سے ملے ان کے ساتھ قیصر فاروق بیٹھے تھے، کلیاں کے پروڈیوسر اور ہمارے محترم دوست۔ عجیب اتفاق تھا ایک قیصر فاروق، دوسرے فاروق قیصر۔ محسن صاحب نے کہا کہ "تم اور فاروق قیصر بائیں جانب صوفے پر بیٹھ جاؤ اور جو باتیں کرنی ہیں کرلو۔"

ایسا موقع بھلا کیسے ضائع کیا جاسکتا تھا۔ اگلے ہی لمحے ہماری گپ شپ شروع ہوگئی۔ ٹیلی ویژن کے سینیئر کیمرہ مین آصف خان بھی میرے ساتھ شریکِ گپ شپ تھے۔

فاروق قیصر صاحب آپ ماشاءاللہ کتنے خوبصورت کتنے اسمارٹ ہیں پھر یہ کیا وجہ ہے کہ

خوبصورت سافاروق قیصر خود تو چُھپ جاتا ہے اور پیچھے بیٹھ کر ایک عجیب و غریب حلیے والے کردار (انکل سرگم) کو اپنے ہاتھوں سے نچاتا رہتا ہے۔

میرے سوال کے جواب میں فاروق قیصر نے بتایا۔

"مجھے یا میرے جیسے لوگوں کو تو آپ ہر روز دیکھتے ہوں گے مگر ایسے کردار جو عام طور پر نظر نہ آتے ہوں یا جو اپنی شکل، آواز اور حرکات کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوں اُن میں انسان کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ خصوصاً بچّے کی نفسیات بڑی عجیب ہوتی ہے۔ اُسے ایسے تجریدی اداروں میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ انسانوں کے مقابلے میں اُسے کتا، بلی زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ کارٹون پسند کیے جانے کی وجہ بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔"

آپ نے ٹی وی پر سب سے پہلا پروگرام کب اور کون سا کیا ؟

"سب سے پہلے ۱۹۷۱ئ میں لاہور ٹی وی سے پروگرام اکڑ بکڑ کیا جس کے مشہور کرداروں میں بی بسطح سجاول خان اور بھالو وغیرہ بطورِ خاص ہیں۔"

توکیا آپ نے اس کام کی ٹریننگ لی کہیں سے ؟

"ہاں میں نے رومانیہ کے پپٹ تھیٹر سے اس کی ٹریننگ لی۔ اس ٹریننگ میں سبھی کچھ سیکھا۔ پپٹ بنانا پپٹ چلانا تھیٹر لائیٹنگ وغیرہ۔"

آپ ہمارے ساتھیوں کو بتائیں گے کہ پپٹ کی کتنی اقسام ہوتی ہیں۔ ؟

"جی ہاں اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں دستانہ پتلی اور دھاگہ پتلی انکل سرگم دستانہ پتلی کے ذریعے کام کرتا ہے۔ جبکہ دھاگہ پتلی کے شو تو بچّوں نے دیہاتوں اور قصبوں میں بھی دیکھے ہوں گے۔ میں نے ان دونوں کو سیکھا اور سمجھا ہے۔"

فاروق صاحب آپ سے سیدھی سادی گفتگو میں مزہ نہیں آرہا۔ میرا خیال ہے کچھ سوال آپ کو مشتعل کرنے کے لیے بھی کیے جائیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے بچّوں کی زبان خراب کرنے میں کتنا حصّہ ادا کیا ہے ؟ یہ سوال اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ اکثر اوئے وغیرہ جیسے عامیانہ سے لفظ بھی استعمال کر جاتے ہیں۔

"دیکھیے جی میں ایسے الفاظ اب تو نہیں بولتا۔ بہت محتاط ہو گیا ہوں اور پہلے بھی جو بولا کرتا تھا تو کوئی اپنے الفاظ نہیں بولتا تھا، اسی معاشرے کے، انہی لوگوں کے لفظوں کو دہراتا تھا۔ میں تو کہتا ہوں

کہ ہماری پنجابی فلموں میں اوئے کہنے پر پابندی لگادی جائے تو پنجابی فلمیں بننا ہی بند ہوجائیں گی۔ ہمارے پنجابی فلموں کے اداکار تو اوئے کے بغیر کوئی جملہ ہی مکمل نہیں کر سکتے۔"

آپ کا پروگرام کلیاں دیکھ کر ایسا لگتا ھے جیسے یہ بچّوں کے لیے ھو۔ مگر طنزیہ اور گہرے جُملے سُن کر لگتا ھے کہ یہ بچّوں کا پروگرام نہیں ھے... آپ کیا کہتے ھیں؟

" میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ میرا پروگرام بچّوں سے زیادہ بڑوں کا ہے بلکہ فیملی پروگرام ہے۔ وہ تو چونکہ اس کا وقت شام پانچ بجے کا ہے اس لیے کچھ نہ کچھ بچّوں کے متعلق بھی شامل کرنا پڑجاتا ہے۔"

آپ نے ٹی وی کے علاوہ بھی کہیں کام کیا ھے؟

" ہاں میں نے یونیسف کے لیے کافی کام کیا ہے۔ فیلڈ اسپاٹ یا کمرشل بنائے جو بہت مقبول ہوئے۔ پاکستان میں لاتعداد اسٹیج شو کیے۔ یونیسف کی طرف سے انڈیا والوں کو ٹریننگ دے کر آیا۔"

انڈیا میں آپ کے فن کو پسند کیا گیا؟

" بہت زیادہ بلکہ انھوں نے تو دام بھی دیئے۔ نام البتّہ پاکستان ٹی وی سے ملا۔"

آپ کے یہ پروگرام انڈیا میں بھی مقبول ھیں؟

" جی ہاں وہاں بھی بے حد مقبول ہیں، یہ انکشاف میرے لیے بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ مجھے دہلی میں کالج کی کچھ لڑکیاں ملیں انھوں نے بتایا کہ ہم پہلے سری نگر میں تھے وہاں بھی آپ کے پروگرام دیکھا کرتے تھے اور اب دہلی میں ہیں تو یہاں بھی شوق سے دیکھتے ہیں۔"

پاکستان میں اس کام کا باقاعدہ آغاز کیا آپ ھی نے کیا...؟

" جی ہاں رومانیہ سے واپس آکر میں نے فیض صاحب کو مشورہ دیا کہ بچّوں کے لیے ایک پپٹ شو کا تھیٹر بنایا جائے۔ اس وقت ثمینہ پیرزادہ میرے ساتھی تھیں۔ انھوں نے پورا پلان بنا کر بھجوایا اور پھر یہ منظور بھی ہوا۔ الحمرا میں تھیٹر باقاعدہ آج بھی موجود ہے۔ اب میرے علاوہ عثمان پیرزادہ بھی کراچی میں پپٹ شو کرتے ہیں۔ شروع البتّہ میں نے ہی کیا۔"

آپ کے خیال میں آپ ان پپٹ سے بچّوں میں وطن سے محبّت پیدا کرنے کا کام لے سکتے ھیں؟

" کیوں نہیں لے سکتے۔ ہم تو بہت سے کام لے سکتے ہیں۔ اسٹوڈیو سے نکل کر سڑکوں پر چل سکتے ہیں، ٹریفک پولیس سے بات کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ٹریفک کے آداب سکھا سکتے ہیں۔ مگر ہم کیا کریں۔ ہم تو یہاں پھٹّوں (تختوں) کے ساتھ باندھ دیئے گئے ہیں۔ جب کبھی ہماری آؤٹ ڈور کی خواہش پوری

نہیں ہوتی تو ہمارا دل بڑا جلتا ہے ۔ لیکن ان تمام مسائل کے باوجود ہم نے پاکستان کے لیے بہت کچھ کیا ہے اور کرتے رہیں گے ... ہماری شناخت ہی یہ مٹی ہے اس مٹی میں سب کچھ ہے ۔ اس کا قرض تو ہر صورت میں اتارنا ہے"۔

اپنی پپٹ کی زندگی کا کوئی خوشگوار واقعہ ... اگر یاد ہو ۔ ؟

" ایک بار ہم لوگ کوئٹہ میں اپنا شو کرنے جا رہے تھے تو ہماری گاڑی سے ایک کیریکٹر گر گیا ۔ اچانک ایک اینٹیں ڈھونے والے انتہائی غریب اور کم عمر بچے کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ بھاگا بھاگا ہمارے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا آپ کا ھڈ حرام گر گیا ہے ۔ میں نے پوچھا تمہیں کیسے پتا کہ اس کا نام ہڈ حرام ہے تو اُس نے بتایا کہ میں آپ کا پروگرام بہت شوق سے دیکھتا ہوں خواہ مجھے کہیں بھی جا کر دیکھنا پڑے بس کیا بتاؤں اس غریب بچّے کی یہ محبت دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوئی ۔ اتنی خوشی تو کسی وزیر سے مل کر بھی نہ ہو"۔

فاروق صاحب آپ نے کوئی ولائیتی طرز کے کردار کیوں نہیں بنائے یہ سبھی کردار مقامی سے ھیں ۔ اس کی کوئی خاص وجہ ؟

" سلیم صاحب سچی بات یہ ہے کہ جو کیریکٹر اپنی زمین سے نکلتا ہے وہی دل سے بھی لگتا ہے ۔ بس اتنی سی بات ہے"۔

پپٹ اور میپٹ میں کیا فرق ھے ۔ ؟

" دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں سوائے اس کے کہ جم ہینسم نے اپنے پپٹ کا نام مپّٹ رکھ کر اسے دُنیا بھر کے پپٹ سے علیحدہ کر دیا ہے ورنہ ان میں فرق کچھ بھی نہیں"۔

یہ جم ھنسم صاحب کون ھیں ؟

" یہ یورپ میں پپٹ کا باپ دادا ہے اور ایک دن میں لاکھوں ڈالر کماتا ہے"۔

فاروق بھائی ۔ جمعے کے روز بچّوں کا ایک پسندیدہ پروگرام آتا ھے ۔ سیسم اسٹریٹ ، کبھی آپ نے دیکھا ؟

" یہ پروگرام تو لاجواب ہے ، شوق سے دیکھتا ہوں بلکہ سچ یہ ہے کہ میں نے اکڑ بکڑ اسی کو دیکھ کر شروع کیا تھا"۔

مغربی پروگراموں کے آنے سے آپ کی شہرت کچھ کم نہیں ہوئی ؟

" بلکہ کم نہیں ہوئی ، بلکہ شاید اضافہ ہی ہوا ، اس لیے کہ ہماری زبان ، ہمارا مزاج یہ سب ان سے مُختلف ہیں"۔

کارٹون فلموں کی طرف کیوں نہیں آئے ؟

" توبہ کریں جی - یہ کوئی آسان کام ہے ؟ یہ ایک آدمی کا کام نہیں ہے - دنیا کی مشکل ترین اور مہنگی ترین فلمیں ہیں جنہیں پورے گروپ مل کر کرتے ہیں - ایک سیکنڈ پر تین ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں - گویا دس سیکنڈ کے ۳۰ ہزار روپے - آپ کا کیا خیال ہے کون بنوائے گا یہاں ؟ اور اگر باقاعدہ گروپ وغیرہ بناکر کارٹون فلمیں بنانے کی کوشش کی تو ایک سیکنڈ دس ہزار روپے سے کم کا نہیں پڑے گا - ویسے بھی ہمارے لوگوں کو تکنیک سے زیادہ مواد سے دلچسپی ہوتی ہے - اس لیے اس کھپ (پریشانی) میں کیوں پڑا جائے "

آپ ایک ہفتے میں ٹیلی ویژن کے لیے ایک پروگرام تیار کرتے ہیں کیا کام کی یہ رفتار مناسب ہے ؟

" میں نے انڈیا میں سیسم اسٹریٹ کی پروڈیوسر کو جب یہ بتایا کہ ہم ہفتے میں ایک پروگرام تیار کرلیتے ہیں تو وہ پاگل ہوتے ہوتے رہ گئی - لوگ سُن کر یقین ہی نہیں کرتے - بس بات وہی ہے کہ باہر سارا زور تکنیک پر ہوتا ہے جو وقت لیوا ہوتی ہے جبکہ ہمارے ہاں تکنیک کا تصور اہم نہیں ہے - "

کارٹون کی دنیا میں والٹ ڈزنی کا کام کیسا لگتا ہے ؟

" میرے پاس والٹ ڈزنی کی کیسٹ ہیں اکثر دیکھتا ہوں ، اُن سے بہت کچھ سیکھا ہے - جب یورپ میں تھے تو سینما ہال میں اُن کے پروگرامز دیکھتے تھے اور دیکھ دیکھ کر پاگل ہوجاتے تھے - یہ واقعی عظیم لوگ تھے - میرے دل میں بڑی عزت ہے اُن کی "

آپ کا پسندیدہ کارٹون ؟

" مجھے پنک پینتھر بہت پسند ہے "

اگر آپ کو کہا جائے کہ کراچی آکر آنکھ مچولی پڑھنے والوں کے لیے ایک اسٹیج شو کریں ، تو کریں گے ؟

" مجھے خوشی ہوگی ، اعزاز سمجھوں گا ، ضرور آؤں گا بُلا کر تو دیکھیں "

فاروق صاحب سے کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں - میں نے محسوس کیا کہ وہ فاروق قیصر نسبتاً زیادہ شوخ اور چنچل ہے جو سیٹ کے پیچھے چھُپ کر انکل سرگم کا روپ دھار لیتا ہے

یہ فاروق قیصر تو بہت معقول ، بڑا سمجھ دار ، سوچنے سمجھنے والا ، اچھی باتیں کرنے والا اور دل میں اُتر جانے والا ، اچھا اور پیارا انسان ہے ... فاروق قیصر کے مزاج میں شگفتگی ہے محبّت ہے ، عجز ہے اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ بچّوں کے لیے بے انتہا محبّت ہے - تبھی تو بچّے بھی فاروق قیصر سے اتنی محبّت کرتے ہیں -

جستجو شرط ہے

ذہانت اور معلومات کا منفرد ماہانہ مقابلہ

اسامہ بن سلیم

جولائی کے شمارے میں "جستجو شرط ہے" کا مقابلہ شامل نہیں ہو سکا۔ وجہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ قہقہہ نمبر کی وجہ سے ہم نے اپنے بہت سے مستقل سلسلوں کو روک کر صرف مسکراتی تحریروں کو شائع کیا تھا۔ یہ لیجیے "جستجو شرط ہے" کا مقابلہ نمبر ۷ حاضر ہے۔ پڑھیے اور ذہن کے گھوڑوں کو دوڑائیے۔ ۳۱ اگست سے قبل تمام سوالات کے جواب علیحدہ کاغذ پر صاف ستھری تحریر کے ساتھ ہمیں بھجوا دیجیے۔ کوپن کا ساتھ آنا شرط ہے۔ تمام درست جوابات دینے والے ساتھیوں کے نام اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوں گے اور قرعہ اندازی کے ذریعہ تین انعامات بھی دیے جائیں گے۔ آپ ہمیں اپنی رائے سے بھی آگاہ کیجیے کہ آیا ہم "جستجو شرط ہے" کے اس سلسلے کو ختم کر کے کوئی اور سلسلہ شروع کریں یا اسی کو جاری رہنے دیں۔

نئے ساتھی شرکت کا طریقہ ایک بار پھر جان لیں۔

ہر سوال میں دیے گئے الفاظ میں ایک ایک حرف پوشیدہ ہے۔ گویا جتنے الفاظ ہیں اتنے ہی حروف پر مشتمل جواب ہے۔ جواب تک پہنچنے کے لیے شعر کا مصرعہ آپ کا مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ قلم کاغذ لیجیے اور تیار ہو جائیے۔ اپنی معلومات اور ذہانت کا امتحان دینے کے لیے مقابلہ حاضر ہے۔

سوالات

۱۔ طنز و مزاح کے موضوعات پر لکھی گئی اردو ادب کی معرکۃ الآرا کتابوں میں ایک کتاب تلاش کیجیے۔

۱۔ بزم آرائیاں (کرنل محمد خان) ۲۔ خاکم بدہن (مشتاق یوسفی) ۳۔ پرواز (شفیق الرحمان) ۴۔ بجنگ آمد (کرنل محمد خان) ۵۔ مزید حماقتیں (شفیق الرحمان) ۶۔ اُردو کی آخری کتاب (ابنِ انشاء)

اشارہ:- سمندر موجزن ہوتا ہے جب چندا کو تکتا ہے

۲۔ اُردو کے مشہور مزاحیہ شعرائمیں ایک معروف ترین نام۔ بتائیے تو کون ہے؟

۱۔ ضمیر جعفری ۲۔ سید محمد جعفری ۳۔ ظریف لکھنوی ۴۔ دلاور فگار ۵۔ ظریف جبلپوری ۶۔ اکبرالہ آبادی ۷۔ مسٹر دہلوی ۸۔ گستاخ گیاہوی ۹۔ ہرفن لکھنوی ۱۰۔ بوم لکھنوی

اشارہ:- لاہور سر بلند ہے لاہور زندہ باد

۳۔ اردو کے مشہور مزاحیہ کرداروں میں سے ایک مقبول ترین کردار۔ تلاش کیجیے۔

۱۔ شیخ چلّی ۲۔ حاجی بغلول ۳۔ جیدی ۴۔ مُلّا نصیرالدّین

اشارہ:- خود تھوڑا تھوڑا کھاؤ اور زیادہ ہم کو دو جی

۴۔ کارٹون کے حوالے سے مشہور عالمی کرداروں میں ایک کردار کو تلاش کیجیے۔

۱۔ مکی ماؤس ۲۔ ڈونلڈک ۳۔ گوفی ۴۔ ٹام ۵۔ پوپائے دا سیلر ۶۔ رُونی ۷۔ کیسپر دا گھوسٹ

اشارہ:- مکی کو دیکھتے ہی شرما گئی ہیں دیکھو

۵۔ مشہور راگ اور راگنیوں میں سے ایک مشہور راگ کا نام آپ کو بتانا ہے۔ کوشش کیجیے۔

۱۔ دیپک ۲۔ دادرا ۳۔ بھیرویں ۴۔ مالکوس ۵۔ ملہار ۶۔ ایمن کلیان

اشارہ:- تیرے حضور سے نسبت ہے بادشاہ مجھے

۶۔ موسیقی کے آلات میں ایک مشہور آلے کا نام پوشیدہ ہے، آپ کی ذہانت تلاش کر سکتی ہے۔

۱۔ سارنگی ۲۔ ماؤتھ آرگن ۳۔ الغوزہ ۴۔ سُرمنڈل

اشارہ:- دِل کے تاروں کو کس نے چھیڑ دیا

۷۔ ایک مشہور جھیل کا نام دوسری جھیلوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ ہر جھیل کے نام سے ایک ایک حرف چُنیں اور پوشیدہ جھیل کا نام بتائیں۔

۱۔ سانوھر ۲۔ حَناّ ۳۔ سیف الملوک ۴۔ وکٹوریہ ۵۔ کینجھر ۶۔ کلری
اشارہ:۔ سرزمینِ سندھ پر آباد ہوں، شاداب ہوں

۸۔ بحری بری اور فضائی فوج کے عہدوں میں ایک عہدہ تلاش کیجیے۔
۱۔ ایئر کموڈور ۲۔ فلائنگ آفیسر ۳۔ گروپ کیپٹن ۴۔ لانس نائک ۵۔ ایئرمین ۶۔ وارنٹ آفیسر ۷۔ سارجنٹ ۸۔ بریگیڈیئر ۹۔ کرنل
اشارہ:۔ ترے پروں کو بھی قوت کمان دار ملی

۹۔ پاکستان کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر؟ بتائیے تو بھلا کون سا ہے؟
۱۔ ساہیوال ۲۔ حیدرآباد ۳۔ راولپنڈی ۴۔ لاہور ۵۔ کراچی ۶۔ پشاور ۷۔ کوئٹہ
اشارہ بلند ہو ترا اقبال شہرِ جانبازاں

۱۰۔ اسکاؤٹنگ کی اصطلاحوں میں ایک عالمی شہرت یافتہ نام تلاش کیجیے
۱۔ جمبوری ۲۔ کیمپوری ۳۔ ٹنڈرفٹ ۴۔ کیمپنگ ۵۔ کیمپ فائر ۶۔ ہائی کنگ ۷۔ ووڈ بیج ۸۔ سگنلنگ
اشارہ:۔ ایک تحریک کا پیش رو تھا عظیم

ماہ جون کے درست جوابات

۱۔ ابنِ سینا
۲۔ فیکس
۳۔ ٹارزن
۴۔ کیمی
۵۔ کیلی فورنیا
۶۔ اندرا
۷۔ دہلیز
۸۔ اموی (اُمیّہ)
۹۔ بلیئرڈ

۱۰ر کھٹمنڈو

تین خوش نصیب ساتھی جنھیں انعام روانہ کیا جارہا ہے

۱۔ عاقب معید خان سیٹلائٹ ٹاؤن بہاولپور ۲۔ عفت نعیم ۔ کورنگی ۔ کراچی

۳۔ صنوبر یزا اختر ۔ میرپورخاص

کراچی

سیّد علی محمّد نقوی ۔ نارتھ کراچی
عطیۃ النور ۔ ڈرگ روڈ
شیراز خان صدیق ۔ شارع فیصل
شیریں اقبال خان ۔ نارتھ کراچی
وردہ ظفر ۔ فیڈرل بی ایریا
سارہ جاوید زبیری ۔ نارتھ کراچی
محمّد انس جان ۔ ناظم آباد
محمّد طلحہ شریف ۔ ناظم آباد
محمّد مزمّل شریف ۔ ناظم آباد
مدثر شریف ۔ ناظم آباد
فیصل محمود ۔ لانڈھی
اسماء عزیز ۔ فیڈرل بی ایریا
عمران مبارک ۔ نارتھ کراچی
صائمہ زرّین ۔ نارتھ کراچی
نعیم الحسن ۔ نصیر آباد
عنبرین یوسف ۔ بہار کالونی
فوزیہ رفیق ۔ ناظم آباد
ساجدہ نقوی ۔ نارتھ کراچی
حنا بشیر ۔ دھوراجی کالونی
اظہار الحق ۔ شاہ فیصل کالونی
محمّد ثاقب، لانڈھی
اسد اخلاق، ساؤتھ کراچی

ثوبیہ نثار، گلشن اقبال
ثوبیہ طلعت، فیڈرل بی ایریا
کرن عبدالسّلام، لانڈھی کالونی
عادل اخلاق، عیدگاہ لائن ساؤتھ
محمّد علی اخلاق، عیدگاہ لائن
افشاں عبدالسّلام، لانڈھی کالونی
منیرا عبدالسّلام، لانڈھی کالونی
عظمیٰ طارق، لانڈھی ٹاؤن شپ
سیّد قیصر عبّاس، ناظم آباد
محمّد علی عبدالسّلام، لانڈھی کالونی
فیصل فیروز خلجی، نارتھ کراچی
فیصل عبدالستار، کھارادر
سیّدہ ماجدہ خاتون، بفرزون نارتھ کراچی
محمّد فیصل یونس، ناظم آباد کراچی
سیّد حماد علی شاہ، فیڈرل بی ایریا
محمّد رضا، لیاری
رضا علی وکیل، فیڈرل بی ایریا
ثروت نقوی، نارتھ کراچی
محمّد شہریار، فیڈرل بی ایریا
علی حسن، محمود آباد
محمّد فیصل یونس، سبزی منڈی کراچی
ذکیہ صدّیقی، فیڈرل بی ایریا
نازش گلزار علی، برنس روڈ
تنزیلہ رشید، فیڈرل بی ایریا

عدنان فاروقی، فیڈرل بی ایریا۔
حاشر رشید، فیڈرل بی ایریا۔
نعمان احمد فاروقی "الفاروق"
فوّاد جمیل، نارتھ ناظم آباد
سلمان رضا خان، فیڈرل بی ایریا
نوید جمیل، عیدگاہ لائن
ثوبیہ آفتاب، رنچھوڑ لائن
جاوید جمیل، اسلم روڈ ساؤتھ کراچی
سمیرا محسن، اسلم روڈ ساؤتھ کراچی
رضوان جمیل، اسلم روڈ ساؤتھ کراچی
صدف جمیل، اسلم روڈ ساؤتھ کراچی
شازیہ جمیل، اسلم روڈ ساؤتھ کراچی
گلِ ارم، ماری پور روڈ
فہد اخلاق، ساؤتھ کراچی
یاور خیام، فیڈرل بی ایریا
عبدالباسط، نارتھ کراچی
جاوید عبدالکریم، دریا آباد
مرزا فرخ بیگ، گلشن اصغر ایئرپورٹ
عنبرین گلزار علی ۔ برنس روڈ
سیّد فرخ رشید ۔ پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس
سعدیہ خورشید، نشتر روڈ
اسمٰعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر کراچی
شکیل احمد خان، ناظم آباد
ذیشان عالم صدّیقی، عزیز آباد

حیدرآباد

غلام حسین میمن، کھائی روڈ
محمد اویس، لطیف آباد
شفیق الرحمٰن، حالی نگر
ارم ناز شیخ، لطیف آباد

نواب شاہ

انیلا رجب علی، حبیب شوگر مل
صدیقہ محمد، حبیب شوگر مل
شبیر حسن، حبیب شوگر مل
محسن علی، حبیب شوگر مل
یاسین علی، حبیب شوگر مل
حسین رضا حبیب شوگر مل

متفرق شہر

روبی، شاہ لطیف کالج میرپور خاص
داد اللہ بلوچ، تحصیل کھیرو
فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر
وقار حسن، بہاولپور
ندیم احمد، بہاولنگر
شہنشاہ بابر، بہاول نگر
افتخار حسن، بہاولپور

امینہ رفیق، فیصل آباد
رضوانہ خان، لیاقت پور
محمد سمیع اعظم، گجرات
سمیرا عارف، ملتان
جمال عبدالناصر، جہلم
عطاء المحسن، جہلم
سمیہ ناز، سیالکوٹ
غزالہ روحی، سیالکوٹ
سمیعا اقبال خانم، چکوال
فیصل محمد اکرم، چکوال
اورنگ زیب، چکوال
لیاقت علی خان چکوال
شریف شاکر، پسنی
انتخاب اسلم، پسنی
امتیاز اسلم، پسنی
عطاء الرحمٰن، گوجرہ
روحی بانو، گوجرہ
این عطار، گوجرہ
سیف اللہ اعوان، گوجرہ
نعیم اللہ علوی، گوجرہ

عائشہ رشید ملک، ملتان
فریحہ اصغر، لاہور
محمد عاشر، لاہور
محمد عاطف سعید، لاہور
حمیرا اقبال، لاہور
ارم اقبال، لاہور
عائشہ نور لاہور
محمد ظہیر رضا، لاہور
عمر احسان، لاہور
مس اسما رخلیل، لاہور
واسیہ مظہر، لاہور
عدنان علی خان، لاہور
شکیل احمد بابر، راولپنڈی
صائمہ تسنیم، راولپنڈی
انیلا سلیم، راولپنڈی
احسن خواجہ، اسلام آباد
چوہدری محمد معظم، اسلام آباد
بے بی راحت نوشین، اسلام آباد
عاصم الیاس، پشاور

اس کوپن کے بغیر جستجو شرط ہے کے مقابلے میں شرکت ممکن نہیں

نام ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ کلاس ـــ ـــ ـــ عمر ـــ ـــ ـــ ـــ

پتہ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

ـــ ـــ ـــ ـــ حاصل کردہ پوائنٹس ـــ ـــ ـــ ـــ

کتاب سچ بولتی ہے

طاہر مسعود

کتاب کہتی تھی "ہم سب پاکستانی ہیں"۔

اخبار بتاتا تھا "جیئے مہاجر، جیئے پنجابی، جیئے سندھ"۔

کتاب میں لکھا تھا "مل جل کر رہنا اچھی بات ہے"۔

اخبار میں خبریں چھپتی تھیں کہ "دو گروہوں میں تصادم، فائرنگ سے آٹھ افراد ہلاک"

کتاب بتاتی تھی "قانون کا سب کو احترام کرنا چاہیے"۔

اخبار گواہی دیتا تھا "شہر میں لاقانونیت عام ہو چکی ہے"۔

کتاب کے الفاظ تھے "مجرم کبھی سزا سے نہیں بچ سکتا"۔

اخبار میں بیانات چھپتے تھے "قاتل اور ڈاکو دندناتے پھر رہے ہیں"۔

آصف تو اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

ان میں سچّا کون تھا۔ کتاب یا اخبار۔

دونوں میں کس پر اعتبار کرنا چاہیے۔ اگر اُسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اخبار جھُوٹ لکھتا ہے تو وہ اخبار پڑھنا چھوڑ دیتا، لیکن اسکول کے ماسٹر صاحب کہتے تھے ہر بچّے کو اخبار پڑھنا چاہیے کہ اس سے معلومات بڑھتی ہے۔ اس کا اپنا خیال تو یہی تھا کہ کتاب سچّی ہے کیونکہ وہ اسکول میں پڑھائی جاتی ہے۔ جھُوٹا تو اخبار بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ اُسے ابّاجان باقاعدگی سے پڑھتے تھے بلکہ سارا گھر ہی پڑھتا تھا۔ تو پھر وہ یہ فیصلہ کس طرح کرے کہ سچّا کون ہے؟ اسی ادھیڑ بُن میں آصف کا ننھا سا ذہن مبتلا رہتا تھا۔

ایک دن یُوں ہُوا کہ اُس کی بہن آسیہ سے کانچ کا بنا ہُوا شو پیس ٹُوٹ گیا۔ امّی جان کی ڈانٹ کے خوف سے آسیہ شو پیس کے ٹُوٹے ہوئے ٹکڑوں کو چھوڑ کر نکل بھاگی۔ آصف ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ کسی چیز کے گرنے کی آواز سُن کر امّی کچن سے نکل آئیں اور جب انھوں نے خوبصورت شو پیس کو چکنا چوُر پایا تو آگ بگولہ ہو گئیں۔ فوراً ہی عدالت بیٹھی۔ آسیہ نے اقرارِ جُرم سے صاف انکار کر دیا۔ آصف نے گواہی دی۔

"کیا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟" امّی کا سوال تھا۔

"جی امّی - میں نے خود دیکھا کہ شو پیس آسیہ کے ہاتھوں سے چھُوٹ کر گرا اور پھر وہ کمرے سے بھاگ گئی۔"

آسیہ کو شو پیس توڑنے سے زیادہ جھُوٹ بولنے کی سزا ملی۔

اُس رات سونے سے پہلے آصف کو اچانک خیال آیا کہ سچ وہ ہوتا ہے جو آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جب وہ اس نتیجے پر پہنچا تو اُسے خود بخود اس سوال کا بھی جواب مل گیا کہ کتاب اور اخبار میں سچّا کون ہے؟ اخبار میں وہی کچھ چھپتا تھا جو آصف کے اِرد گرد رونما ہوتا تھا۔

وہ روزانہ راتوں کو بے دریغ فائرنگ کی آوازیں سُنتا تھا۔ وہ جئے مہاجر اور جئے پنجابی کے نعرے سُنتا تھا۔ اور وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ اس کی گلی کے دونوں طرف لوہے کے بڑے بڑے گیٹ لگا دیے گئے تھے۔ اور جب یہ گیٹ لگائے جا رہے تھے تو اُس نے ابّو سے پوچھا تھا۔

"یہ گیٹ کیوں لگائے گئے ہیں ابّو؟"

"حفاظت کے لیے بیٹے"۔

"کیا ہم لوگ خطرے میں ہیں؟"

"ہاں بیٹے۔ حالات اچھے نہیں ہیں"۔

اس نے کچھ اور پوچھنا چاہا لیکن ابّو نے جمائی لی۔ اُنھیں نیند آرہی تھی۔ اُس کے ذہن میں بے شمار سوالات پیدا ہو چکے تھے۔

فائرنگ، گیٹ، خطرہ، حفاظت ... یہ سارے الفاظ اُس نے پہلی مرتبہ سُنے تھے۔ چند ہی روز بعد اُس کی گلی میں عجیب دلخراش واقعہ پیش آیا۔ وہ اپنی چھت پر کھڑا تھا کہ اُس نے دیکھا گلی میں ایک ایمبولینس آکر رُکی اور اُس میں سے اسٹریچر اُتارا گیا۔ اسٹریچر پر لیٹے ہوئے آدمی پر سفید چادر تنی ہوئی تھی۔ پھر پیچھے سے ایک گاڑی اور آئی جس میں سے چند عورتیں اُتریں۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ اُسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ اُن میں سب سے نمایاں خالہ زبیدہ تھیں اصغر بھائی کی امّی۔ انھیں چند عورتیں سہارا دیئے ہوئے تھیں۔ وہ بھاگ کر نیچے اُترا۔ اصغر بھائی کو کسی نے گولی مار دی تھی۔ انہیں کس نے گولی ماری تھی۔ کیوں ماری تھی؟ اُسے یہ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کی سمجھ میں تو بس اتنی سی بات آئی کہ اب اصغر بھائی کبھی اس گلی میں چلتے پھرتے دکھائی نہیں دیں گے۔ اصغر بھائی اُسے اچھے لگتے تھے۔ اُسے جب بھی دیکھتے تھے پیار سے منہ چڑایا کرتے تھے اور جواب میں وہ بھی انہیں زبان دکھا کر اندر بھاگ جاتا تھا۔

وہ اصغر بھائی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ یکایک اُس کے ذہن میں پیر کی وہ شام روشن ہو گئی جب اصغر بھائی گلی میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں سیاہ رنگت کی کوئی مضبوط سی غالباً لوہے کی بنی ہوئی کوئی چیز تھی۔ اُسے تجسّس ہوا۔

"یہ کیا ہے اصغر بھائی؟" اُس نے قریب جا کر شوق سے پوچھا۔

"یہ بڑی خطرناک چیز ہے بچّو"۔ انھوں نے اُسے ڈرایا۔

"نہیں بتائیے نا"۔ وہ چھیننے لگا۔

"اررر، ہٹو پیچھے، احمق کہیں کے"۔ انھوں نے اُسے ڈانٹا۔

"بتائیے نا یہ کیا ہے؟"

"اس سے بندے مارتے ہیں"۔ اصغر بھائی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"بندے؟" وہ ٹھٹھکا۔ "اللّٰہ کے بندے مارنا تو بہت بُری بات ہوتی ہے۔ ہم سب اللّٰہ کے

بندے ہیں۔"

"چلو پھوٹ لو یہاں سے۔" انھوں نے چٹکی بجا کر اُسے بھگا دیا۔

اس واقعے کی یاد آتے ہی آصف کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ وہی چیز تھی جس سے کسی نے اصغر بھائی کو مار دیا۔ اصغر بھائی بھی تو اللہ کے بندے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کی خطرناک چیزیں اور بہت سے لوگوں کے قبضے میں بھی تھیں۔ تو اگر یہ خطرناک چیزیں (اور یہ تو اُسے اگلے دن معلوم ہوا کہ ان خطرناک چیزوں کو ریوالور اور کلاشنکوف کہتے ہیں) سارے لوگوں سے واپس لے لی جائیں تو پھر کوئی کسی کو نہیں مار سکے گا۔ وہ اس معاملے میں کیا کر سکتا ہے۔ آصف نے سنجیدگی سے سوچا۔ اُسے تھانے میں جا کر پولیس والوں سے بات کرنی چاہیے کیونکہ قانون نافذ کرنا انہی کی ذمہ داری تھی۔

تھانہ سڑک کے اس پار تھا۔

آصف جب تھانیدار کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں ٹانگیں میز پر چڑھائے کرسی پر تقریباً سویا ہوا تھا۔ کمرے کے باہر بھی اتفاق سے کوئی نہیں تھا۔

"السّلام علیکم تھانیدار صاحب!" آصف نے سلام کہا۔

"وعلیکم السلام۔" تھانیدار نے اُسی پوزیشن میں لیٹے لیٹے کہا۔

"او بھائی تو اِدھر کیسے چلا آیا۔"

"میرا نام آصف ہے جی۔ میری گلی میں اصغر بھائی تھے نا۔ اُن کو کسی نے گولی مار دی ہے۔"

"ہاں پتہ ہے مجھ کو۔"

"میں یہ کہنے آیا تھا جی کہ یہ جتنے لوگوں کے پاس کلاشنکوف وغیرہ ہے واپس لے لیجیے۔" آصف نے نہایت سادگی سے کہا۔

"دیکھو بیٹے۔" تھانیدار کا لہجہ ایک دم بدل گیا وہ کرسی سے اُٹھ بیٹھا۔ "ابھی تم بچے ہو۔ یہ تم کو کس نے تھانے بھیج دیا ہے۔ تم گھر جاؤ۔ ابھی یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔" پھر اس نے گھنٹی بجائی۔ ایک سپاہی اندر آیا۔ تھانیدار نے ہدایت کی وہ اس بچے کو گھر چھوڑ آئے اور گھر والوں کو کہہ دے کہ بچے کو کنٹرول میں رکھیں۔ حالات اچھے نہیں ہیں۔

آصف کو گھر پر سخت ڈانٹ پڑی۔ اُسے ہر جگہ یہی سننے کو مل رہا تھا کہ حالات اچھے نہیں ہیں، لیکن کوئی اُسے یہ نہیں بتاتا تھا کہ ان حالات کو کون اچھا بنائے گا۔ اور آخر یہ حالات کس طرح اچھے ہوں گے۔

فائرنگ کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اخبارات میں ہلاک ہونے والوں کی تصویروں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

وہ معمّہ جو اس کے ذہن میں کتاب اور اخبار کا پیدا کیا ہوا تھا وہ تو اُسے بھول ہی چکا تھا۔ کتاب کی یہ باتیں کہ "ہم سب پاکستانی ہیں اور پاکستان لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں سے بنا ہے، قانون کا احترام ہم سب پر واجب ہے، ہم سب کو مل جُل کر رہنا چاہیے کیونکہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں" یہ اور اس طرح کی تمام باتیں کتاب ہی میں رہ گئی تھیں۔ اب تو جو اردگرد پیش آرہا تھا اُسے وہی سچّا لگ رہا تھا۔

ایک رات جب وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا تو ابّو نے ڈانٹ کر کہا "آصف! چلو کتاب نکالو۔ سارا وقت تم اِدھر اُدھر مارے پھرتے ہو۔"

وہ خاموش بیٹھا رہا جیسے اُس نے سُنا ہی نہیں۔

"میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔" ابّو نے اب کے زور سے کہا۔

"میں کتاب نہیں پڑھوں گا۔" آصف نے مضبوطی سے کہا۔

"کیا؟" ابّو کا منہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا اُنہیں آصف سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"لیکن کیوں؟"

"کتاب میں جھوٹی باتیں لکھی ہیں۔"

اس کے ابّو یہ سُن کے ایک لمحے کے لیے سنّاٹے میں رہ گئے لیکن سمجھدار آدمی تھے فوراً ہی بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور خاموش رہے۔

کھانے کے بعد آصف کی ابّو کے کمرے میں طلبی ہوئی۔ "آصف بیٹے" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "تمہاری کتاب میں جھوٹی باتیں نہیں لکھیں۔ اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔ ہم لوگ جھوٹے ہیں۔ ہمارے لیڈر جھوٹے ہیں۔ ہمارے اخبارات جھوٹے ہیں۔ اِدھر آؤ میرے پاس۔" جب آصف ان کے نزدیک گیا تو انھوں نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "بیٹے ایک بات کہوں تم مانوگے؟"

"جی ابّو" آصف نے کہا۔

"لیڈروں نے تمہاری کتاب کو جھوٹا قرار دیا ہے نا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اسے اپنے عمل سے سچّا ثابت کر دکھاؤ" آصف نے سر جھکا لیا۔

ابّو سچّے تھے۔ کتاب بھی سچّی تھی!

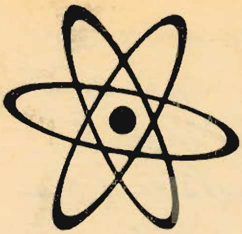

سائنس انکوائری

سائنسی موضوعات پر آپ کے

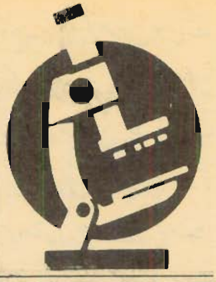

نیّر ابدالی

● جناب کیا آپ یہ بتائیں گے کہ بیری بیری BERI BERI کی بیماری کیوں ہو جاتی ہے ؟

(سلیم احمد یزدانی۔ کوئٹہ - فاروق احمد شاہ، میر پور، آزاد کشمیر)

یہ بیماری عموماً ان لوگوں کو ہوتی ہے جو چاول زیادہ کھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ غذا میں وٹامن بی کا نہ ہونا بھی اس بیماری کا ایک بڑا سبب ہوتا ہے۔ مرض کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مریض کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ اس کے گلے کے اعصاب میں ورم پیدا ہو جاتا ہے اور مریض جسمانی طور پر کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حضرات وٹامن بی کا زیادہ استعمال کراتے ہیں۔ تاکہ اس کمی کو پورا کیا جا سکے۔ بنگال میں یہ مرض عام ہے۔

● برائے کرم مجھے نائیجیریا، موزمبیق، مالٹا اور گیمبیا کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کر دیجیے۔

(سلطان بشیر، اسلام آباد)

نائیجیریا ۔ یہ مغربی افریقہ کا مُلک ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ اس کا رقبہ ۹۲۳،۷۷۳ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا سرکاری طور پر کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس کے دارالحکومت کا نام لاگوس ہے۔ اس کا سکہ نائیجیرین پونڈ ہے۔

موزمبیق ۔ یہ مشرقی افریقہ کا مُلک ہے اس کی سرکاری زبان پُرتگالی ہے۔ سرکاری مذہب رومن کیتھولک ہے۔ اس کا رقبہ ۳۰۰،۳۸۹ مربع کلومیٹر ہے۔

مالٹا ۔ یہ جنوبی یورپ کا مُلک ہے۔ یہاں سرکاری زبان انگریزی اور مالٹیز ہے۔ سرکاری مذہب رومن کیتھولک ہے۔ اس کا رقبہ ۳۱۶ مربع کلومیٹر ہے۔ دارالحکومت ویلیٹا ہے۔ سکے کا نام مالٹیز پاؤنڈ ہے۔

گیمبیا ۔ یہ مغربی افریقہ کا مُلک ہے۔ اس کی سرکاری زبان انگریزی ہے۔ مُلک کا رقبہ ۱۱،۵۶۹ مربع کلومیٹر ہے۔ کوئی سرکاری مذہب نہیں، دارالحکومت کا نام بنجول ہے۔ سرکاری سکے کا نام گیمبین پونڈ ہے۔

● قطب جنوبی کے بارے میں ہمیں معلومات

درکار ہیں - ؟ (نائلہ فیروز۔ فیروز احمد۔ راولپنڈی معظم علی۔ بھاولپور)

قطب جنوبی کا رقبہ تقریباً ۴۵ لاکھ مربع میل ہے۔ اس پورے علاقے کو چاروں طرف سے برف پوش سمندروں نے ڈھکا ہوا ہے۔ عرض بلد ۶۰ کے جنوب میں واقع ہونے پر اُسے قطب جنوبی کہا جاتا ہے۔ یہاں کسی جاندار مخلوق کا وجود ممکن نہیں ہے۔ برفانی سطح سے پہاڑوں کی چوٹیاں کئی مقامات پر اُبھری ہوئی ہیں۔ یہاں برف کی تہہ دو ہزار فٹ سے بھی زیادہ گہری ہے۔ آج کل یہاں مختلف ممالک کی تحقیقاتی ٹیمیں مختلف منصوبوں پر کام کر رہی ہیں۔ یہ تمام منصوبے سائنسی نوعیت کے ہیں۔

● افیون کیا ہوتی ہے ؟ (علاؤ الدین۔ سکرنڈ۔ طارق رحیم، سلطانہ رحیم۔ ناظم آباد، کراچی۔ سید عاطف امام۔ نارتھ کراچی، کراچی)۔

افیون OPIUM یا افیم ایک سُن کر دینے والی نشہ آور شے ہے۔ یہ ایک پودے سے حاصل کی جاتی ہے۔ جس کا نام پوست ہے۔ اس پودے کے تنے میں شگاف ڈال کر اس سے آبی مواد حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ مواد جمنے پر افیون کہلاتا ہے۔ مارفیا کا ٹیکہ بھی اسی سے تیار ہوتا ہے جسے ڈاکٹر حضرات درد سے تڑپتے ہوئے مریضوں کو لگاتے ہیں۔ اس انجکشن سے مریض کو اتنا سکون ملتا ہے کہ وہ آرام سے چند گھنٹے سو سکے اور درد کی تکلیف سے نجات حاصل کر سکے۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ہمارے عظیم ہمسایہ ملک چین میں پچاس برس پہلے تک لوگ اس کے بڑے شوقین تھے۔ لیکن اب وہ نشے کی اس بُری عادت کو ترک کر چکے ہیں ... قانونی طور پر اس نشے کا استعمال جُرم ہے۔ پوست کے پودے سے افیون کے علاوہ ہیروئن بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ دراصل افیون ہی کی "زیادہ بہتر" کوالٹی ہوتی ہے۔

● زہر اور ان کے تریاق بیان کریں ؟ (توصیف احمد پشاور۔ واصف علی۔ مردان)

زہر کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے ایک اصول ہمیشہ ذہن نشین ہونا چاہیے۔ اور وہ یہ کہ نمکیات تیزابوں کی کاٹ کرتے ہیں اسی طرح تیزاب زہروں کے لیے تریاق ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم چند زہروں اور ان کے تریاق کے نام دے رہے ہیں۔

سُرمہ ـــــ شاہترہ۔
سنکھیا ـــــ لوہے کا بُرادہ پانی میں۔
تانبہ ـــــ انڈے کی سفیدی۔
پارہ ـــــ انڈوں کی سفیدی، دودھ، میدہ اور پانی، السی کی چائے۔
چاندی ـــــ نمک اور پانی۔
ٹین ـــــ دُودھ
جست ـــــ زیتون کا تیل، دُودھ یا انڈے کی سفیدی۔

سائنسی ایجادات

س۔ خ۔ ع

الٹراساؤنڈ ڈش واشر ۔ فرانس کے ایک ادارے "لاداسونک" نے برتنوں کو دھونے کے لیے ایک انتہائی جدید تکنیک اپنائی ہے۔ اس کے لیے ایک خاص قسم کا سنک بنایا گیا ہے۔ جس میں آپ برتنوں کو رکھ کر گرم پانی کا بٹن دبا دیں صرف پانچ منٹ کے اندر اندر آپ کی پلیٹیں، گلاس چھری، کانٹے، چمچے وغیرہ دھل کر الٹراساؤنڈ لہروں کے ذریعے خشک ہو جائیں گے۔

حسّاس ٹیلی فون ۔ اکثر گفتگو کے دوران آپ کو ایسا لگتا ہو گا جیسے درمیان میں کوئی آپ کی گفتگو سن رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ اپنے ساتھی سے کھل کر گفتگو بھی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح بہت سے کاروباری حضرات اپنے ایجنٹوں سے گفتگو کے دوران یہی خیال کرتے ہیں کہ ان کا کاروباری راز، راز ہی میں رہے۔ ایسے افراد کے لیے اور حکومتی اداروں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے امریکہ میں ایک نیا ٹیلی فون سیٹ تیار کیا گیا ہے، جو راز داری کی گفتگو کو راز ہی میں رکھتا ہے۔ اس کی سب

سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس سیٹ سے گفتگو کی جا رہی ہو اور جس سیٹ پر گفتگو کرنے والے کی بات ہو رہی ہو۔ ان کے درمیان لائن پر کوئی شخص ان کی گفتگو سن ہی نہیں سکتا۔ اس سیٹ کو اے اوای انٹرنیشنل نامی جارجیا کی ایک فرم نے تیار کیا ہے۔

تعلیم الاسلام ۴ حصے

اسلام کی بنیادی معلومات
جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا کارِ ثواب ہے
تالیف :۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب
تعلیم الاسلام کے چاروں حصے مفت منگوانے کے لیے
صرف ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر دیجئے۔

سمندروں کا مشاعرہ

○•○ محسن احسان ○•○

بھائی جان۔ بچو، آپ کی پُرزور فرمائش پر ہم نے آج اپنے اسٹوڈیوز میں محفلِ مشاعرہ کا انتظام کیا ہے۔ آج کی اس محفل میں دنیا کے پانچ بڑے سمندر شریک ہو رہے ہیں۔ بحرِ اوقیانوس، بحرالکاہل، بحرِ ہند، بحرِ منجمد شمالی اور بحرِ منجمد جنوبی۔ یہ سب دُور دراز کا سفر کرکے اس محفل کی رونق بڑھانے کے لیے ہماری درخواست پر یہاں آئے ہیں۔ مشاعرے کی صدارت کے لیے بحرالکاہل کا نامِ نامی پیش کیا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی تائید کریں گے۔

آوازیں۔ "ہم سب پُرزور تائید کرتے ہیں"۔

"بھائی جان۔ میں بحرالکاہل سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ کرسئ صدارت پر جلوہ افروز ہوکر مشاعرے کی باقاعدہ کارروائی کا اعلان کریں"۔

بحرالکاہل۔ (صدر) خواتین و حضرات۔!

"میں آپ سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں آج اس محفلِ مشاعرہ میں مدعو کرکے ہماری بڑی عزت افزائی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا اس وقت پانچ بڑے سمندروں میں تقسیم ہے۔ اور وہ سب اس وقت یہاں موجود ہیں"۔

"لیجیے آپ ان کا کلام انہیں کی زبانی سُنیے۔ سب سے پہلے میں محترمہ بحرِ منجمد شمالی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے کلامِ بلاغت نظام سے ہم سب کو نوازیں۔ ان کے کلام سے پہلے میں اتنا عرض کردوں۔ کہ یہ سمندر ایشیا، یورپ اور شمالی امریکہ کے شمال میں پھیلا ہوا ہے۔ سارا سال منجمد رہتا ہے۔ اس لیے

اس کا ساحل کٹا پھٹا ہونے کے باوجود عمدہ بندرگاہیں بہت کم ہیں۔ تو لیجیے ان کا کلام ملاحظہ فرمائیے . . .

بحرِ منجمد شمالی :۔ "عرض کرتی ہوں"

برِّاعظم ایشیا یورپ کے ہیں سائے میں ہوں
تم کو اب لے دوستو اپنی کہانی کیا کہوں !

آواز :۔ ضرور کہو ضرور کہو ہم سُننے کو تیار ہیں .

بحرِ منجمد شمالی :۔ دو ہیں بندرگاہیں میری جو سدا آباد ہیں !
میرے ساحل دیکھنے میں ورنہ کچھ برباد ہیں
منجمد رہتی ہوں میں تو سال بھر اے دوستو !!
مجھ میں مشکل ہے جہازوں کا سفر اے دوستو !!

میری وسعت کم نہیں پر کچھ زیادہ بھی نہیں — دیکھنے میں سادہ ہوں پر اتنی سادہ بھی نہیں
سیپ، موتی، گھونگا، اسفنج میرے ساحل پر بہت — سب اُنہیں لے کر سجا لیتے ہیں اپنے گھر بہت
جا رہی ہوں آپ سے میں اب اجازت دیجئے — پھر ملوں گی میں کبھی فی الحال رُخصت دیجئے

صاحبِ صدر :۔ ابھی محترمہ بحرِ منجمد شمالی نغمہ سرا تھیں۔ اب جناب بحرِ ہند سے درخواست ہے کہ وہ حاضرین کو اپنے کلام سے نوازیں۔ بحرِ ہند کے مشرق میں جزیرہ نما سماٹرا، ملایا اور آسٹریلیا، شمال میں برما ہندوستان، ایران اور عرب اور مغرب میں برِّاعظم افریقہ واقع ہیں۔ اور ان کے ساحل پر رنگون، چٹاگانگ کلکتہ، مدراس، ترچناپلی، کولمبو، کالی کٹ، بمبئی، کراچی، بصرہ، مسقط، عدن، ممباسہ، دارالسّلام اور ڈربن جیسی مشہور بندرگاہیں آباد ہیں مجھے امید ہے آپ سب کو یہ نظر آ رہی ہوں گی۔

آوازیں :۔ جی ہاں۔ جی ہاں، ارشاد۔ جناب بحرِ ہند صاحب۔

بحرِ ہند۔ راستو خوف سے سمٹ جاؤ — بحرِ ہند آ رہا ہے ہٹ جاؤ
کیا بتاؤں میں اپنی پہنائی — کس نے دیکھی ہے میری گہرائی
کار آمد میں تاجروں کے لیے — بد نما ہوں دشمنوں کے لیے

میرے ساحل پہ شہر ہیں جتنے جگمگاتے ہیں اک زمانے سے
میں عرب میں بھی ہوں عجم میں بھی میری وسعت کسی نے کب دیکھی
میں علمدار ہوں روایت کا میں پرستار ہوں محبت کا

میرے سینے پہ ہیں سوار جہاز
مجھ میں ہیں غرق بے شمار جہاز

آوازیں :۔ بے شک بے شک، واللہ کیا کلام سُنایا، آپ نے تو پورے بحرِ ہند کی سیاہی اس پر صرف کر دی۔ سبحان اللہ، ماشاءاللہ، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

صدر :۔ اب محترمہ بحرِ منجمد جنوبی تشریف لاتی ہیں۔ یہ برِاعظم جنوبی امریکہ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ وسعت میں بحرِ منجمد شمالی سے بہت بڑی ہیں مگر بارہ مہینے منجمد رہنے کی وجہ سے کوئی عمدہ بندرگاہ نہیں ہے اور تجارتی نقطۂ نگاہ سے غیر مفید ہے۔ لیجیے آپ ان سے ان کا کلام سماعت فرمائیے

بحرِ منجمد جنوبی۔ میں آئی بڑی دور سے دوستو سُناتے ہو اپنی مری بھی سنو
ہوں میں منجمد مدّتیں ہو گئیں تہوں میں کئی مچھلیاں سو گئیں

کوئی شہر میرے کنارے نہیں چمکتی دمکتی ہے لیکن جبیں!
تجارت جو کرتے ہیں ان کے لیے سبھی راستے بند میں نے کیے
جہاز آئیں مجھ تک تو چلتے نہیں پھنسیں بیچ میں تو نکلتے نہیں!
سناؤں میں کیا داستاں دوستو بڑا ہی عجب ہے سماں دوستو!

صدر :۔ ”ابھی آپ محترمہ بحرِ منجمد جنوبی سے ان کا کلام سُن رہے تھے۔ اب جناب بحرِ اوقیانوس صاحب تشریف لاتے ہیں۔ یہ بحرِ منجمد شمالی سے بحرِ منجمد جنوبی تک شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی تشکل انگریزی حرف ”S“ سے ملتی ہے، ان کے مغرب کی طرف یورپ اور افریقہ اور مشرق کی طرف شمالی اور جنوبی امریکہ ہے۔ ان کی تجارت تمام سمندروں میں اوّل نمبر پر ہے۔ ان کا ساحل بہت کٹا پھٹا ہے۔ اس لیے بڑی

بڑی عمدہ بندرگاہیں موجود ہیں۔ لیجیے ان کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

جناب بحرِ اوقیانوس صاحب۔

آوازیں:۔ ارشاد ارشاد۔ واہ واہ۔

اوقیانوس:۔
ہر کوئی دیکھ کے لہراتا ہے! اوقیانوس چلا آتا ہے!
ایس سے ملتی ہے میری شکل بہت مجھ کو سمجھو ہے اگر عقل بہت
میرے مغرب میں ہے یورپ سدا افریقہ کا بھی کرو نظارا
اور مشرق میں میرے امریکہ جس نے مجھ سے یہاں جینا سیکھا
وہ سمندر ہوں میں جس کا سینہ! ہے تجارت کا سنہرا زینہ
میرے ساحل کی یہ بندرگاہیں
دنیا والے انہیں بے حد چاہیں

آوازیں:۔ "کیا تعریف فرمائی ہے۔ سبحان اللہ۔ جواب نہیں۔"

صدر:۔ "خواتین و حضرات۔ ابھی آپ جناب بحرِ اوقیانوس صاحب سے ان کا کلام سُن رہے تھے۔ اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی۔ میں اپنا تعارف خود ہی کرا دیتا ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں میری شکل بیضوی ہے اور شرقاً غرباً پھیلا ہُوا ہوں۔ میرا رقبہ سات کروڑ مربع میل ہے۔ یعنی زمین کی خشکی سے زیادہ اور کل تری کے نصف کے برابر ہے۔ میرے مشرق میں شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ اور مغرب میں ایشیا اور آسٹریلیا واقع ہیں۔ میرے ساحلی علاقے پتھریلے اور کم کٹے پھٹے ہیں۔ اس لیے عمدہ بندرگاہیں بہت کم ہیں۔"

ایک آواز:۔ "حضور وہ تو ہمیں آپ کی شکل دیکھ کر ہی نظر آ رہا ہے۔"

صدر:۔ میرے مشرقی ساحل پر وال پریزو۔ گویا۔ کیل، پانامہ، سان، فرانسسکو اور وکٹوریا اور مغربی ساحل پر ولنگٹن۔ آک لینڈ، ملبورن، سڈنی، نیوکاسل، برسبین، سنگاپور، بنکاک، مشرقی جزائر، کینٹن،

ہانگ کانگ، شنگھائی، یوکوہاما، ٹوکیو، وغیرہ ہیں۔ ہاں ایک بات اور بھی بتادوں۔ پھر اس کے بعد اپنا کلام سناؤں گا۔ وہ یہ کہ میرے سمندر میں لمبے اور جہازرانی کے قابل دریا کم گرتے ہیں۔ لیجیے اب کلام ملاحظہ فرمائیے۔ شاید آپ کو پسند آئے۔ عرض کیا ہے ؛

آوازیں :۔ ارشاد۔ ارشاد"

صدر :۔ نصف زمین کے نصف حصے پر خموشی سے جو بہتا ہے
سنو وہ بحرالکاہل کہانی اپنی کہتا ہے
میرے ساحل کی پتھریلی زمیں کو دیکھ سکتے ہو
یہیں سے تم ہر اک شہرِ حسیں کو دیکھ سکتے ہو

آوازیں :۔ دیکھ کیوں نہیں سکتے۔ واللہ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔

صدر :۔ میرے سینے میں کتنے راز پوشیدہ ہیں قوموں کے
ہیں مجھ میں غرق کتنے ڈھانچے بحری جہازوں کے
دو ساحل ہیں مگر پھر بھی میری تنہائی کو دیکھو
مری ہمت، مری وسعت میری گہرائی کو دیکھو
میرے دامن میں دریاؤں کو ملتی ہے پناہ یارو
ہے مجھ میں شارک سی اور وہیل سی مچھلی بھی اے پیارو
وہ مشرق ہو کہ مغرب ہر طرف میرا ہی شہرہ ہے
زمیں سے آسماں تک بحرالکاہل کا چرچا ہے

صدر :۔ "خواتین و حضرات۔ ابھی آپ کی خدمت میں میں نے اپنا کلام پیش کیا۔ میں اس محفل مشاعرہ کے اہتمام کے سلسلے میں منتظمین کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے ہمیں اپنے کلام سنانے کا موقع دیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ تمام بچوں کو یہ پروگرام بے حد پسند آیا ہوگا۔ خدا حافظ

شاباش میرے شیر

نعیم بلوچ

اگر سارے لڑکے احمر کی طرح ہو جائیں تو معاشرہ جرائم سے پاک ہو جائے

احمر بازار کے اس حصے میں تھا جہاں بھیڑ کافی کم تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں گم جا رہا تھا کہ سامنے سے اسی کی عمر کا ایک لڑکا تقریباً بھاگتا ہوا آیا اور اس سے بُری طرح ٹکرایا۔ احمر گر پڑا، ٹکرانے والا خود تو گرنے سے بچ گیا لیکن اس کا تھیلا احمر کے اُوپر ہی آپڑا۔ احمر ابھی اُٹھنے نہیں پایا تھا کہ وہ لڑکا بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ ابھی چند گز ہی دور گیا ہوگا کہ ایک موٹر سائیکل سوار اس کے قریب آکر رکا۔ اور لڑکا اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ احمر لڑکے کو آواز دے کر اُسے تھیلا یاد دلاتا، موٹر سائیکل سوار بازار کی سڑک سے نکل کر بڑی سڑک پر جا چکا تھا۔ اور پھر جلد ہی نظروں سے اُوجھل ہو گیا۔ احمر ہاتھ میں تھیلا پکڑے حیران پریشان کھڑا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو بازار میں دو عورتوں کے سوا کوئی بھی اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لوگ اس سے ہمدردی تو کریں گے ہی۔ لیکن لوگوں کی بے پڑ ئی

سے وہ سخت مایوس ہوا۔ وہ دو عورتیں جو اس کی طرف دیکھ رہی تھیں، وہ بھی آپس میں باتیں کرتی ہوئی اب آگے بڑھ چکی تھیں۔ احمر بھی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا چل پڑا۔ چلتے چلتے اس نے تھیلے کو تھوڑا سا کھول کر دیکھا تو اس کے چلتے قدم رُک گئے۔ اچھی خاصی سردی میں بھی اُسے پسینہ آگیا۔ اس نے انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھا تو ایک پولیس والے کے سوا کوئی بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ پولیس والا جس انداز سے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ احمر اُسے اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ پہلے تو اس کے جی میں آیا کہ جاکر اُسے صحیح بات بتا دے۔ لیکن اگر اس نے یقین نہ کیا تو ؟ پولیس والے کے چہرے سے اُسے اپنا خدشہ بالکل ٹھیک معلوم ہوا۔ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے تیز تیز چلنے لگا۔ چند قدم کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پولیس والا اس کے پیچھے تھا۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد بھی جب اس نے پولیس والے کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے پایا تو اُسے یقین ہو چکا تھا کہ اُسے کوئی مجرم سمجھا جا رہا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے اپنے اس سوال کا جواب بھی مل گیا کہ اسے گرفتار کرنے کے بجائے اس کا پیچھا کیوں کیا جا رہا ہے ۔ ؟ شاید پولیس والا اس کے "گروہ" سمیت پکڑنا چاہتا ہو۔ یا کم از کم، ان کے اڈے ہی کو دیکھنا چاہتا ہو۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد احمر کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پولیس والے سے جان چھڑائے اور پھر اس تھیلے کو کسی جگہ ٹھکانے لگانے کی سوچے۔ اس نے نزدیکی بس اسٹاپ کا رُخ کیا۔

بس اسٹاپ پر رکنے والی بس میں بہت زیادہ رش تھا۔ احمر بھی ایسی بس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اسٹاپ پر اس طرح کھڑا رہا جیسے وہ اس بس پر سوار ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا پیچھا کرنے والا بھی آرام سے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی بس نے چلنے کے لئے حرکت کی وہ بڑی پھرتی سے اگلے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہلے ہی کچھ لڑکے لٹکے ہوتے تھے۔ لیکن احمر کسی نہ کسی طرح دروازے پر لٹکنے میں کامیاب ہو گیا۔

پولیس والا احمر کے اس اچانک فیصلے پر سٹپٹایا۔ وہ پچھلے دروازے کی طرف لپکا۔ پچھلے دروازے پر اگلے دروازے کی نسبت زیادہ رش تھا۔ اور اب بس حرکت میں آچکی تھی۔ پولیس والا بس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔ وہ بس میں سوار ہونے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ دروازے پر لٹکے ہوئے لوگوں نے اس کے لئے جگہ بنائی اور دو آدمیوں نے اسے سہارا دیا۔ اور آخر کار وہ بس میں سوار ہو ہی گیا۔

احمر دروازے سے لٹکے لٹکے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ پولیس والے کی کامیابی پر اسے خاصی مایوسی ہوئی۔ اگلے اسٹاپ پر جب بس رُکی تو اسے بس کے اندر کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی۔ اس نے تھیلے کو اپنے قدموں کے پاس رکھ دیا اور کسی ایسے اسٹاپ کا انتظار کرنے لگا جہاں سے پولیس والا اُسے اترتا دیکھ نہ سکے۔

آدھ گھنٹے کے بعد بس ایک ایسے اسٹاپ پر رُکی جہاں پر بہت سارے مسافروں کو اترنا تھا۔ احمر نے تھیلے کو وہیں پڑے رہنا دیا اور دروازے کی طرف لپکا۔ وہ ابھی دو قدم آگے ہی بڑھا ہوگا۔ کہ ایک بوڑھی خاتون نے اُسے بڑے پیار سے کہا:

" بیٹا، تم اپنا تھیلا بھول رہے ہو۔ یہ دیکھو لوگوں کے پاؤں میں آرہا ہے!"

احمر اپنی قسمت کو کوستے ہوئے تھیلے کو پکڑنے کے لئے واپس مڑا۔ تھیلے کو پکڑنے کے لئے اُسے کافی دھکے کھانے پڑے تھیلا پکڑے وہ لوگوں کے ہجوم میں بس سے نیچے اتر آیا۔ اس نے پچھلے دروازے کی طرف دیکھا تو اُسے پولیس والا نظر نہ آیا۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سڑک کو پار کرنے کے لئے چل پڑا۔ اشارہ بند ہوا تو وہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ سڑک پار کرنے لگا۔ سڑک پار کرتے ہوئے اُسے ایک موٹر سائیکل .... پر وہی لڑکا بیٹھا نظر آیا، جو بازار میں اس پر تھیلا پھینک کر بھاگا تھا۔ موٹر سائیکل بھی اسے وہی لگ رہی تھی اور اسے چلانے والا سرخ رنگ کا ہی ہیلمٹ پہنے ہوئے تھا اور اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اُس... موٹر سائیکل والے نے بھی سرخ رنگ کا ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔ احمر سخت غصے سے اس کی طرف بڑھا۔ اس نے جاتے ہی تھیلا اس لڑکے کے گلے میں ڈال دیا اور تقریباً چیختے ہوئے بولا۔

"بے ایمان! اس ذلیل چیز کو اپنے پاس ہی رکھو۔"

لڑکے نے بھی احمر کو پہچان لیا تھا۔ اس نے تھیلا فوراً اپنے گلے سے اتارا اور اپنے آگے بیٹھے ہوئے موٹر سائیکل سوار سے انتہائی گھبراہٹ سے کہنے لگا۔

"صاحب اس نے مجھے تھیلا پھینکتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا، میں، میں نے ...."

موٹر سائیکل سوار لڑکے کا جملہ کاٹتے ہوئے احمر سے انتہائی غصے سے کہنے لگا۔

"کون ہو تم؟ چلو دفع ہو جاؤ ۔" پھر وہ لڑکے سے مخاطب ہوا۔ "دیکے، تھیلا اسے واپس کردو، اور اپنا منہ بند رکھو۔"

لڑکا، جسے "دیکے" کہہ کر پکارا گیا تھا، تھیلا احمر کی طرف بڑھانے لگا۔ احمر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اشارہ بس اب کھلنے ہی والا تھا۔ موٹر سائیکل والے نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

"تھیلا نیچے پھینک دو، بے وقوف۔"

عین اسی لمحے احمر کو پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دیا۔ احمر نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے تین چار گاڑیوں کے پیچھے ایک پولیس وین نظر آئی۔ احمر کسی خیال سے، اس وین کی طرف مڑا۔ لیکن ابھی دوسرا قدم ہی بڑھایا گیا کہ ایک مضبوط ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ اس نے نئی مصیبت کی طرف دیکھا تو اس کے سامنے

وہی پولیس والا کھڑا تھا جو بازار سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور پھر اسی لمحے سبز بتی نے ٹریفک کو چلنے کا اشارہ کیا۔ احمر نے اس پولیس والے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"پکڑو ان کو، وہ تھیلا ان کا تھا۔" اس کا اشارہ موٹر سائیکل سوار کی طرف تھا۔ پولیس والے نے احمر کے اشارے کی طرف دیکھا تو اس وقت پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے نے تھیلا زمین پر گرا دیا تھا اور موٹر سائیکل نے چلنا شروع کر دیا تھا۔

احمر نے جھٹکے سے پولیس والے سے اپنی گردن چھڑائی اور موٹر سائیکل کی طرف لپکا۔ لیکن وہ اس وقت تک رفتار پکڑ چکی تھی۔ احمر کے لئے صورت حال بہت پریشان کن تھی۔ وہ کسی بھی لمحے کسی گاڑی سے ٹکرا سکتا تھا لیکن اس کی خوش قسمتی تھی کہ سڑک کے جس حصے پر وہ کھڑا تھا، وہ حصہ موٹر سائیکل جیسی ٹریفک کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے موٹر سائیکل اور اسکوٹر والے اس کو بچا کر اس کے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ ایک موٹر سائیکل نے احمر کو بچانے کے لئے زوردار بریکیں لگائیں اور موٹر سائیکل بڑی مشکل سے اس کے قریب آکر رکی۔ اس کے رکتے ہی احمر نے جست لگائی۔ اور موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اور کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے کہا۔

"وہ سبز رنگ کی ٹریل موٹر سائیکل جا رہی ہے۔ وہ اسمگلر ہیں۔ ان کا پیچھا کریں... گھبرائیں مت! ہماری مدد کے لئے پیچھے پولیس بھی آ رہی ہے۔"

جونہی احمر نے اپنی بات مکمل کی۔ پولیس کی گاڑی نے دوبارہ سائرن بجایا۔ احمر کی بات اور پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سن کر موٹر سائیکل سوار کا غصہ جذبات میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس نے کوئی سوال کئے بغیر انتہائی تیز رفتاری سے احمر کی بتائی ہوئی موٹر سائیکل کا پیچھا شروع کر دیا۔

احمر کا پیچھا کرنے والا پولیس والا یہ دیکھ چکا تھا کہ احمر نے جس موٹر سائیکل کی طرف اشارہ کیا تھا اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے نے تھیلا نیچے پھینک دیا، حالانکہ اس نے تھیلے کو کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ پولیس والے کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ اگر موٹر سائیکل سوار کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ تھیلے میں کیا چیز ہے تو وہ تھیلا یوں سڑک میں ہرگز نہ گراتا۔ اس نے احمر کی طرف دیکھا تو وہ اس وقت ایک دوسری موٹر سائیکل پر سوار ہو رہا تھا۔ اسے اب احمر کی اس بات پر تھوڑا بہت یقین ہو چکا تھا کہ تھیلا انہی موٹر سائیکل سواروں کا ہے۔ لہٰذا اس نے احمر کا پیچھا کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ چلتی ہوئی ٹریفک سے بچتے ہوئے اس نے سڑک پر گرا ہوا تھیلا پکڑا۔ عین اسی وقت اسے پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دیا، وہ فوراً اس کی طرف لپکا۔ بڑی کوششوں کے بعد وہ پولیس

گاڑی میں سوار ہونے میں کامیاب ہوا۔ اپنی شناخت کروانے کے بعد اس نے گاڑی میں موجود ایک انسپکٹر کو سب کچھ بتا دیا۔ انسپکٹر نے اس کی فرض شناسی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

" ہم اس موٹر سائیکل والے کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں جس نے تھیلا نیچے گرایا تھا۔"

" لیکن سر وہ لڑکا سا ہے۔"

" اصل مجرم وہ نہیں، موٹر سائیکل چلانے والا ہے، وہ لڑکا تو دراصل ان کا نوکر ہے، لیکن وہ شخص روس کی خفیہ تنظیم کے، جی، بی K.G.B کا ایجنٹ ہے جو یہاں لوگوں کو ہیروئن کا عادی بنا کر ان سے تخریب کاری کرواتا ہے۔ ہم نے آج اس کے گھر میں چھاپہ مارا تو گھر پر کوئی نہیں تھا۔ لیکن ہماری تلاش کے دوران یہ اپنے نوکر لڑکے کے ساتھ اپنے گھر آیا تو اس نے دیکھا کر پولیس اس کے گھر کو گھیرے کھڑی ہے - یہ دیکھ کر یہ بھاگ گیا۔ میرے خیال میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو پولیس کی اس اچانک چھاپے کی اطلاع دینے گیا ہوگا۔ راستے میں اسے خیال آیا ہوگا کہ اس وقت اس کے پاس جو تھیلا ہے اسے پھینک دینا چاہیئے تاکہ راستے میں اگر اس کی تلاشی لی جائے تو وہ گرفتار نہ ہو جائے۔ اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس نے یہ کام اپنے نوکر لڑکے سے لیا ہوگا لیکن ....."

پولیس انسپکٹر بولتے بولتے رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکے نے تھیلا کسی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں پھینکنے کے بجائے ایک راہ چلتے لڑکے پر کیوں پھینکا؟ پولیس انسپکٹر کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی اور اس نے وہ تھیلا کھولنا شروع کیا۔ جسے پولیس والا سڑک سے اٹھا کر لایا تھا۔

" کیا کسی نئی بات کا علم ہوا ہے سر "؟

لیکن انسپکٹر نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تھیلے میں کسی خاص چیز کو تلاش کر رہا تھا۔ تھیلے میں بندوق کی گولیاں، دھماکہ خیز مواد اور ہیروئن کے پیکٹ تھے۔ ہیروئن کے پیکٹوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مگر جس چیز کو وہ ڈھونڈ رہا تھا، وہ اسے ابھی نہیں مل رہی تھی۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد اس نے تھیلے میں سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا۔ اس نے جلدی سے اسے کھولا۔ کاغذ پر لکھا تھا۔

" خدا کے لئے میری مدد کریں، میں بدمعاش لوگوں میں گھر چکا ہوں۔ ان کے اصل اڈے کا پتہ یہ ہے بابر کالونی بلاک A کوٹھی نمبر ۲۵۔"

انسپکٹر نے فوراً وائرلیس سے پولیس اسٹیشن کو نئی صورتحال کی اطلاع دی اور کاغذ پر جس جگہ کا پتہ بتایا گیا تھا اس پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا۔ خود اس نے موٹر سائیکل کا پیچھا جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

● احمر کو موٹر سائیکل کا پیچھا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن اسے وہ موٹر سائیکل اب نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کی نظریں سبز رنگ کی موٹر سائیکل کو تلاش کر رہی تھیں۔

" تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ اسمگلر ہیں ؟" احمر جس کی موٹر سائیکل پر بیٹھا تھا، اس نے پوچھا۔ جواب میں احمر نے اپنے ساتھ ہونے والے واقعے کو دہرایا۔

" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تھیلا دینے والا لڑکا پکڑا نہ جائے اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، پولیس تم پر شک کرتی رہے گی ؟" " بالکل ۔" احمر شاید ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا، لیکن اس کی نظریں ایک مرتبہ پھر سرخ ہیلمٹ والے موٹر سائیکل سوار پر ٹک چکی تھی۔ جواب تک بڑی کامیابی کے ساتھ ایک مسافر بس کی اوٹ میں چھپا جا رہا تھا۔ لیکن بس کسی اسٹاپ پر رکنے کے لئے بائیں طرف مڑی تو احمر نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً چیختے ہوئے کہا۔

" دیکھئے وہ سبز رنگ کی موٹر سائیکل ۔ وہ جسے .... سرخ رنگ کا ہیلمٹ پہنے ہوئے آدمی چلا رہا ہے۔"

" اور جس کے پیچھے تمہاری عمر کا ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے ؟"

" ہاں ہاں۔ وہی۔"

" ٹھیک ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی موٹر سائیکل کی رفتار تیز ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں موٹر سائیکلیں ایک دوسرے کے پیچھے تھیں۔ کچھ فاصلہ اسی طرح طے ہوا۔ لیکن اگلی موٹر سائیکل نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کی رفتار بھی سڑک پر چلنے والی دوسری ٹریفک جتنی تھی۔

جب اگلا چوک نزدیک آنے لگا تو احمر کی موٹر سائیکل نے اگلی موٹر سائیکل کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش شروع کر دی۔ اب احمر نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ اس چیز کو دوسری موٹر سائیکل والوں نے پسند نہیں کیا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ان سے دور رہیں۔ اسی دوران چوک نزدیک آچکا تھا۔ چوک کی بتی سبز ہی تھی۔ احمر نے محسوس کیا کہ دوسری موٹر سائیکل کی رفتار تیز ہو رہی ہے۔ اس نے فوراً کہا۔

" یہ اس اشارے سے بغیر رکے ہوئے گزرنے کی کوشش کریں گے۔"

" خدا کرے وہ ایسا ہی کرنے کی کوشش کریں ۔۔۔ لیکن یہ پولیس ...."

موٹر سائیکل والے کا باقی کا جملہ چیختے چلاتے پولیس گاڑی کے ہارن کی آواز میں دب چکا تھا۔

سائرن کی آواز سُن کر دونوں موٹر سائیکلوں کی رفتار اور تیز ہوگئی تھی ۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو پکڑنے کی کوشش کر رہی ہیں ۔ مجرموں کی موٹر سائیکل کے پچھلے پہیے کے ساتھ ساتھ ان کی موٹر سائیکل کا اگلا پہیہ دوڑ رہا تھا ۔ اب وہ زیبرا کراسنگ کے بالکل قریب آچکے تھے ۔ احمر نے گلا پھاڑ کر دوسری موٹر سائیکل کو رُکنے کے لئے کہا ۔ جب وہ زیبرا کراسنگ تک پہنچے تو زرد بتی روشن ہوچکی تھی ۔ چوک پر ٹریفک پولیس کا کوئی آدمی نہیں تھا اس لئے کئی جلد باز ڈرائیور زرد بتی پر ہی اپنی گاڑیوں کو حرکت دے چکے تھے ۔ احمر کے ساتھی کو شاید اسی کی توقع تھی اس لئے اس نے بھرپور بریکیں لگائیں ۔ دوسری موٹر سائیکل نے اپنی رفتار کم تو کی لیکن چوک کراس کرنے کا ارادہ برقرار رکھا ۔ مگر سڑک پر گاڑیاں اس کا راستہ روک چکی تھیں اس نے سیدھا گزرنے کے بجائے دائیں طرف موڑ کاٹا ۔ تاکہ وہ دوسری سڑک کی طرف مڑ جائے ۔ انہیں دوسری سڑک کی طرف مڑتے دیکھ کر احمر اس کا ساتھی اس کے پیچھے لپکے ۔ مجرموں کی موٹر سائیکل کے آگے ایک مسافر ویگن تھی ۔ اس ویگن نے ان کو سیدھا گزرنے سے روک دیا تھا ۔ اور یہی ویگن اب ان کے لئے شاید آخری مشکل پیدا کرنے والی تھی ۔ وہ ایک مسافر ویگن تھی ۔ اسے چوک کراس کر کے اسٹاپ پر رُکنا تھا ۔ اس لئے وہ دائیں طرف کو مڑ رہی تھی ۔ موٹر سائیکل بھی چونکہ دائیں سے بائیں طرف کو مڑی تھی اس لئے ویگن نے اس کا تمام راستہ روک لیا تھا ۔ موٹر سائیکل والے کے لئے اب دو ہی راستے تھے ، یا تو وہ اپنی رفتار تقریباً صفر کرتے ہوئے ویگن کی دائیں جانب سے نکلنے کی کوشش کرے یا وہ ویگن سے مزید بائیں جانب ہو کر اسٹاپ پر کھڑے مسافروں میں سے گزرے ۔ اتنی تیز رفتاری کے باعث اسے یہ دوسرا فیصلہ ہی کرنا پڑا ۔ جیسے ہی موٹر سائیکل ویگن کو کراس کر کے بس اسٹاپ پر کھڑے لوگوں میں گھسی ، اسے زوردار بریکیں لگانا پڑیں ۔ پیچھے بیٹھا ہوا لڑکا شاید پہلے ہی اس حادثے کے انتظار میں تھا ۔ اس نے موٹر سائیکل کی رفتار کم ہوتے ہی نیچے چھلانگ لگانے کی کوشش کی ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موٹر سائیکل کنٹرول سے باہر ہوگئی اور زبردست قسم کی آواز نکالتی ہوئی گر پڑی ۔ لیکن اس کے ڈرائیور نے ہمّت نہ ہاری ، وہ کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر موٹر سائیکل کو پھر اٹھانے کے لئے لپکا ۔ لیکن جیسے ہی اس نے موٹر سائیکل کو کھڑا کیا اس کو ایک زوردار دھکا پڑا ، وہ موٹر سائیکل سمیت الٹ گیا ۔ وہ دوبارہ اٹھا ۔ اس دفعہ اس کے ہاتھ میں پستول تھا ۔ اس نے دھکا دینے والے کی طرف دیکھا ۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی ۔ اس کو دھکا اسی لڑکے نے دیا ، جو اس کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا ۔ جس نے احمر پر تھیلا پھینکا تھا ، اس کے

سر سے خون بہہ رہا تھا۔ موٹر سائیکل والے نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ لڑکا بسی سے اسے اپنی طرف پستول سیدھا کیے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ پستول سے گولی نکلتی، حمید اور اس کا ساتھی موٹر سائیکل سمیت پستول والے سے جا ٹکرائے۔ اس دفعہ اسے چوٹ اتنی لگی تھی کہ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ پولیس کی گاڑی بھی اب پہنچ چکی تھی۔ احمر نے پولیس کی گاڑی سے اُسی پولیس والے کو اپنی طرف آتے دیکھا، جس نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ احمر کو پریشان دیکھ کر وہ مسکرایا، مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"شاباش میرے شیر۔ جوان ہو تو تیرے جیسا!"

حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا
مقبول ترین سلسلۂ تحریر
اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا

دلچسپ مجموعہ

برائیوں سے برسرِ پیکار
۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے
حسین سرورق ۔ اعلیٰ طباعت
حق اسکواڈ کے حصول کے لیے
دس روپے کے
ڈاک ٹکٹ ارسال کیجیے،

ڈاک ٹکٹ ارسال کرنے کے لیے ہمارا پتہ

گرین گائیڈ اکیڈمی

ڈی، ۱۱۲ نورس روڈ، سائٹ، کراچی ۱۶

دریائے نربدا کا کالا بھوت

جو موت کا پیغام بن گیا

REBERT WILLIAM

ترجمہ

امجد محمود امجد

قریباً تیس برس قبل کا واقعہ ہے لیکن اُس لرزہ خیز مہم کی یاد آج بھی ذہن میں یُوں تازہ ہے جیسے کل کا واقعہ ہو۔

سیر و شکار سے مجھے بچپن ہی سے گہرا لگاؤ رہا ہے۔ مچھلی کا شکار کھیلتے عمر کا ایک بڑا حصّہ گزُر گیا۔ جب بھی موقع ملتا رائفل اور ضروری اشیاء کا تھیلا کندھے سے لٹکائے دریاؤں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتا۔ کیا خوب دن تھے وہ بھی، زندگی بڑی مصروف ہنگامہ خیز اور دلرُبا تھی . . .

اپنے سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے ایک بار مجھے دریائے نربدا کے کناروں پر سے ہوتے ہوئے دیہات میں جانا پڑا، اور میں پروگرام کے مطابق ڈاک بنگلے میں مقیم ہوگیا۔

ایک دِن میری طبیعت خراب تھی اور میں بستر میں لیٹا خیالی دُنیا کی سیر کر رہا تھا کہ ایک عورت کی دلدوز چیخوں نے خاموش و پُرسکون فضا کو دہلا دیا۔ چیخوں کی دل دہلا دینے والی یہ آوازیں دریا کی جانب ہی سے آرہی تھیں۔

یہ آوازیں سُنیں، تو مجھ سے [illegible] گیا۔ طبیعت کی خرابی کو بھُول کر فوراً دریا کی جانب بھاگا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی دیہاتی بچّہ پاؤں پھسلنے کی وجہ سے دریا کی سرکش و تُند موجوں کی نذر ہوگیا ہے۔

اوراس کی ماں بین کر رہی ہے، لیکن وہاں پہنچا تو معلوم ہُوا ایک نوجوان لڑکی مگرمچھ کا نوالہ بن گئی ہے۔ غسل کرتے ہوئے وہ کنارے سے ذرا دُور چلی گئی تھی۔ یہ حادثہ دیکھا تو ساتھی لڑکیاں نالہ و شیون کرنے لگیں اور غل مچایا، "دوڑو، مدد کرو۔ کالا بھُوت لے گیا۔"

میں جب بھاگم بھاگ دریا کے گھاٹ پر پہنچا تو بہت سے دیہاتی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ بدنصیب اجل گرفتہ، ستم رسیدہ لڑکی کے بوڑھے والدین شدتِ غم سے نڈھال آہ وزاری کر رہے تھے۔

اُن کے فلک شگاف نالوں سے سُننے والوں کے جگر شق ہوئے جاتے تھے۔ میں اگرچہ خاصا سخت طبیعت اور مضبوط اعصاب کا مالک ہوں لیکن ان دیہاتیوں کی مظلومیت پر مجھے بھی اپنا پتھر سا دل پگھلتا محسوس ہوا۔ بمشکل آنکھوں میں اُمڈتے آنسو روک سکا، دِل ہی دِل میں عہد کیا کہ اس ظالم موذی عفریت کو جہنّم رسید کرکے ہی چین سے بیٹھوں گا۔

لوگ لڑکی کے والدین کو صبر کی تلقین کر رہے تھے اور اَن پڑھ توہم پرست دیہاتی خواتین اپنے مخصوص انداز میں "کالے بھُوت" کو بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ "کالے بھُوت" کا نام سُن کر مجھے بڑا اچنبھا ہُوا اور میں دیہاتیوں کی ضعیف الاعتقادی پر دِل ہی دِل میں نفرین کرنے لگا، لیکن جلد ہی اصل حقیقت آشکارا ہوگئی۔

کالا بھُوت دراصل ایک بہُت خونخوار اور عظیم الجثّہ مگرمچھ تھا، جو اُس لڑکی سے پہلے درجنوں افراد کو ہضم کر چکا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس موذی کو ہلاک کرنے کی کئی کوششیں کی گئیں جو شومئی قسمت سے ناکام ثابت ہوئیں۔ کئی بار دریا کے ریتیلے کنارے پر جال بچھائے گئے اور گڑھے کھود کر اُنہیں گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ وغیرہ سے چھُپایا گیا کہ کسی طرح اس ظالم کو ہلاک کیا جائے مگر وہ اتنا عیّار اور چالاک تھا کہ تمام تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں۔

دو بار یورپی شکاریوں نے بندوقوں سے مسلح ہوکر دریا کو میلوں تک چھان مارا، لیکن یہ موذی کسی طرح قابو میں نہ آیا۔

ایک تجربہ کار شکاری ہونے کے باعث میرا خون جوش مارنے لگا۔ اس سے قبل میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کئی مگرمچھ کامیابی سے شکار کر چکا تھا۔ چنانچہ میں نے مظلوم و مجبور دیہاتیوں کو اپنی پُرخلوص مدد کا یقین دلایا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ دریا کے کنارے پانی بھرتے اور نہاتے وقت انتہائی محتاط رہیں اور شام کے وقت وہاں نہ جایا کریں۔

دیہاتیوں کی باتوں سے معلوم ہُوا کہ دریائے نربدا کا "کالا بھُوت" اپنے ظلم اور عیّاری کے لحاظ سے

ہندوستان بھر کے مگرمچھوں کا سردار ہے۔ اس سے دو دو ہاتھ کرنا اتنا آسان کام نہیں وہ کسی ایک مقام پر وارداتیں نہیں کرتا تھا۔ آج ایک گاؤں پر قہر وغضب کی بجلی بن کر گرا، تو کل کسی اور بستی پر۔ دریا میں میلوں تیرتا کسی جانب نکل جاتا اور فرشتۂ اجل بن کر بے خبری میں اچانک ہی کسی معصوم کی جان لے لیتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں، اُس خطرناک مگرمچھ کو پکڑنے کے لیے کئی جتن کیے گیے، لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ تازہ ترین واردات نے عوام کے زخموں کو ہرا کر دیا۔ اور وہ ہر ممکن امداد کے لیے آمادہ ہوگئے۔

میں نے بذریعہ تار اپنے محکمے سے پندرہ یوم کی رُخصت لی اور اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہوگیا۔ ڈاک بنگلے کے قرب وجوار میں مسلسل ایک ہفتے تک دن رات چکر لگاتا رہا۔ سخت سردی کا موسم تھا ہر چیز ٹھٹھری ہوئی تھی اور ہر طرف بے رونقی اور بے کیفی کا عالم تھا، لیکن میں نے اپنی دُھن میں کسی تکلیف کی پرواہ نہ کی اور مسلسل ناکامی کے باوجود جستجو جاری رکھی ایک روز تھک ہار کر میں ڈاک بنگلے میں آیا ہی تھا کہ دیہاتیوں کی پُرجوش آوازیں سُنائی دیں۔ پُوچھنے پر پتا چلا کہ کسی نے کالے بھُوت کو دیکھا ہے۔ میں جلدی سے اُن کے پاس پہنچا، کامیابی کے احساس سے اُن کے چہرے سُرخ ہو رہے تھے۔ انہوں نے مجھے فوراً موقعے پر پہنچنے کی التجا کی اور میں رائفل سنبھال کر فوراً ان کے ہمراہ چل دیا۔

اپنے سابقہ تجربے کی بنا پر مجھے معلوم تھا کہ موسم سرما مگرمچھ کے شکار کے لیے نہایت موزوں ہوتا ہے کیونکہ اس "گرم خون والے" درندے کی طبیعت سرد پانی سے گھبراتی ہے اور وہ غُسلِ آفتابی سے لُطف اندوز ہونے کے لیے باہر نکل آتا ہے۔ ہم ایک آڑی ترچھی بل کھاتی پگڈنڈی کے راستے جانب دریا رواں ہوئے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد حسبِ ہدایت سب لوگ رُک گئے۔

صرف میں گاؤں کے مکھیا کے ہمراہ نہایت احتیاط سے قدم اُٹھاتا آگے بڑھا "کالا مگرمچھ" جس کی تلاش میں مَیں نے کتنے ہی دنوں کا چین اور راتوں کی نیند حرام کی تھی، سامنے ریت پر لوٹ رہا تھا۔ اپنے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا موقع شاید آن پہنچا تھا۔

میں نے نظروں ہی نظروں میں اُسے تولا اور اپنے مشاہدے کی روشنی میں اندازہ لگایا کہ اس کی لمبائی اٹھارہ فٹ سے کچھ زائد ہی ہوگی۔ اپنی عمر اور تیس سالہ شکاری زندگی کے دوران میں نے اس قدر غیر معمولی تن و توش کا مگرمچھ کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس بلائے بے درماں کو دیکھ کر دہشت کی سرد لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی محسوس ہوئی، لیکن جلد ہی میں نے خوف پر قابو پا لیا۔ میں نے چشمِ تصور سے اُن معصوم، خوبصورت بچوں اور جوانوں کو دیکھا جو اس "کالے عفریت" کے سفاک جبڑوں کا شکار ہوئے تھے۔ اور اُن کا خیال آتے ہی گویا

میری آنکھوں میں خون اُتر آیا جس پوزیشن میں وہ لیٹا ہُوا تھا، اُسے ہلاک کرنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ طاقتور ترین گولی بھی مگرمچھ کی موٹی کھال پر اثر نہیں کرتی۔ اس جانور کو موت کے گھاٹ اُتارنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کی گردن پر بالکل ٹھیک نشانہ لگایا جائے۔

چھوٹے قدوقامت کے مگرمچھ کو دیہاتی شکاری اپنے روایتی طریقے سے شکار کرتے ہیں۔ وہ اس کی تھوتھنی اور دُم کو باندھ کر نیزوں اور بھالوں سے پیٹ چاک کر دیتے ہیں۔ لیکن بڑی جسامت کے مگرمچھ کے شکار میں اس طریقے کو آزمانے کا تصوّر بھی محال ہے۔ جب میں انچ انچ رینگتا ہُوا اُس کے قریب پہنچا تو معلوم ہُوا۔ اُس نے ریت پر سستانے کے لیے جس محفوظ جگہ کا انتخاب کیا تھا وہ اس کی عیّاری... ہوشیاری، بلکہ تجربہ کاری کا ثبوت ہے۔

آخر وہ مشاق اور منجھا ہُوا شکاری تھا اور صحیح معنوں میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے تھا۔ اُس کے تین طرف چٹیل میدان پھیلا ہوا تھا۔ وہاں کسی کی آڑ نہیں لی جاسکتی تھی۔ اُسے ہلاک کرنے کی بس ایک ہی صورت تھی کہ لمبا چکر کاٹ کر دریا کی راہ سے اُس پر اچانک حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اسی منصوبے پر عمل پیرا ہونا پڑا۔ میں ایک طویل چکر لگاتا ہُوا دریا کے چڑھاؤ کی طرف نصف میل تک گیا اور وہاں سے

دو مقامی افراد کے ہمراہ کشتی میں سوار ہُوا۔ کشتی کو ہم نے نہایت چابک دستی سے درختوں کی شاخوں اور بڑے بڑے پتّوں سے اس طرح کیموفلاج کر دیا تھا کہ دُور سے اُس پر ایسے تناور درخت کا گمان ہوتا تھا، جسے دریا کی تُندوتیز لہریں بہائے لیے جارہی ہوں۔ کشتی ہلکورے لیتی لہروں کے سینے پر مچلتی "کالے عفریت" کی طرف بڑھتی رہی لیکن جیسے ہی ہم اتنے فاصلے پر پہنچے کہ نشانہ لے کر فائر کیا جاسکے، وہ کم بخت پُھرتی سے اُٹھا اور غڑاپ سے پانی میں کُود کر غائب ہوگیا۔

غم، غصّے اور مایوسی سے میری بُری حالت تھی۔ تمام محنت اور کوشش رائیگاں چلی گئی تھی۔ ہم اسی پیچ وتاب کے عالم میں تھے کہ ناگہانی کشتی ہچکولے کھانے لگی اور اس کا اگلا حصّہ اوپر کو اُٹھ گیا۔ خوفناک مگرمچھ کشتی کے نیچے پہنچ چکا تھا۔ اور یہ موت کے سر پر پہنچ جانے والی بات تھی۔ ہمارے تو اوسان خطا ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بھی لمحے کشتی اُلٹ جائے گی اور ہم "کالے عفریت" کے پیٹ کا ایندھن بن جائیں گے۔

یہ بڑا ہی نازک وقت تھا لیکن خُدا کا شکر ہے، حواس بحال رہے۔ میں نے رائفل اُٹھائی اور جیسے ہی تھوتھنی نظر آئی، گولی چلادی۔ اب اُسے ہماری خوش قسمتی ہی کہیے کہ گولی کارآمد ثابت ہوئی۔ مگرمچھ

نے پانی میں غوطہ لگا لیا اور کشتی کا اُٹھا ہُوا حصّہ سطحِ آب پر آگرا اور تھوڑی دیر بعد ہم بخیر و عافیت کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ۔

اُس دن کے بعد سے تو میں چین و آرام تج کر شب و روز مگرمچھ کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا ۔ میری ساری دلچسپیاں ختم ہو کر رہ گئیں ۔ دن کا زیادہ حصّہ دریا کے کنارے پھرتے گزُر جاتا تھا ۔ چند مقامی "سیانوں" کے مشورے پر میں نے دریا کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی گڑھے بھی کھُدوائے باری باری اُن گڑوں میں پڑا انتظار کرتا رہتا کہ کسی وقت مگرمچھ دھُوپ سینکنے کے لیے باہر نکلے گا، تو میں اُسے اپنی رائفل کا نشانہ بنا سکوں گا لیکن افسوس میری یہ مشقّت بھی ثمر آور ثابت نہ ہوئی ۔ اِدھر میں قبر نُما کھائی میں پڑا آسمان تکتا رہتا اور اُدھر "سیاہ عفریت" کسی دوسرے گاؤں میں واردات کر گزُرتا، اسی آنکھ مچولی میں تقریباً ایک ماہ گزُر گیا ۔

میں مایوُس ہو چکا تھا کہ ایک قریبی گاؤں سے نہایت اندوہناک خبر آئی ۔ زبدا کے عفریت نے ایک سات سالہ بچّے کو ماں کی گود سے چھین کر ہڑپ کر لیا تھا ۔ میرا غصّہ پھر بھڑک اُٹھا تھا اور بندوق اُٹھا کر اُس گاؤں پہنچ گیا، وہاں ہر طرف دہشت پھیلی ہوئی تھی ۔ لوگ یہ یقین کر رہے تھے کہ وہ مگرمچھ نہیں بلکہ کوئی آسمانی بلا ہے ۔ میں نے ڈرے سہمے دیہاتیوں کو تسلّی دلاسا دیا ۔ لیکن وہ اپنے خیال پر قائم رہے ۔ اور اپنے عقیدے کے مطابق دیوتاؤں کے حضور نذرانے پیش کرنے کی تیاری کرنے لگے ۔ گاؤں والوں نے اگرچہ میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں اپنی دُھن میں لگا رہا ۔ اور بھری ہوئی بندوق کندھے پر رکھے دریا کے دونوں کناروں کی نگرانی کرتا رہتا ۔ اسی دوران میں ایک عورت میرے پاس آئی اور مگرمچھ کے بارے میں دو چار باتیں کرنے لگی "صاحب تم واقعی بہادر اور نڈر ہو مگر یہ خونی مگرمچھ تمہارے ہتھے نہ چڑھے گا ۔ اگر کہو تو میں تمہاری مدد کروں ۔ اُمید ہے کامیابی ہو گی ۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "اور کیا چاہیئے ۔ میرا مقصد تو اس عفریت کو ہلاک کرنا ہے" ۔ وہ بولی "پھر آؤ میرے ساتھ" ۔ میں سحر زدہ سا ہو کر اُس کے پیچھے چل پڑا ۔ راستے میں اُس نے کوئی بات نہ کی اور وہ مجھے گھاس پھونس کی جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا کر کے خود اندر چلی گئی ۔ تھوڑی دیر کے بعد برآمد ہوئی ۔ تو دوُدھ سے لبریز ایک پیالہ اُس کے ہاتھ میں تھا ۔ پیالہ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی "بیٹے! پہلے یہ تھوڑا سا دوُدھ پی لو" ۔ میں نے بلا تردّد اس کی بات مان لی ۔ اور جب دودھ پی چکا تو اُس نے زور سے آواز دی اور ایک دھان پان سا لڑکا باہر نکل آیا ۔ عورت بولی "ارے یہاں کھڑا منہ کیا دیکھتا ہے ؟ صاحب سے

تین روپے لے اور گاؤں چلا جا اور کرمُو سے بکری کے دو بچّے لے آ !

میں نے فوراً جیب سے تین روپے نکال کر لڑکے کے حوالے کیے اور وہ اُسی وقت چلتا بنا۔ مجھے بڑھیا کی باتوں میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، متجسس انداز میں پوچھا، "یہ بکری کے بچّے لے کر تم کیا کرو گی"؟

وہ بڑے پُراعتماد انداز میں کہنے لگی، "صاحب تم خاموشی سے تماشا دیکھتے جاؤ۔ جلد ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا"۔ میں جھونپڑی کے باہر گھاس پر بیٹھ گیا اور وہ بڑھیا اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی لڑکا بکری کے بچّے لے آیا۔ اُس کی آواز سُن کر بُڑھیا جھونپڑی سے برآمد ہوئی۔ اس نے ایک بچّے کو شہتوت کے درخت کے ساتھ باندھ دیا اور دوسرے کو چُھری سے اس طرح ذبح کیا کہ اُس کا سر دھڑ کے ساتھ لگا رہا۔

میں حیرت زدہ سا ہو کر اُسے دیکھتا رہا۔ عورت نے ذبح شدہ بچّے کے پیٹ کو چیر کر لاش صاف کی اور پھر اس کے پیٹ میں چُونا بھر کر کھال کو سی دیا۔

اس کے بعد وہ اُٹھی اور مجھ سے مخاطب ہوئی "صاحب اس بچّے کو بازوؤں میں تھام لو"۔ پہلے تو میں جھجکا لیکن عورت نے جب اپنے الفاظ دہرائے، تو میں انکار نہ کر سکا۔

خاموشی سے "حنوط شدہ" بچّے کو دونوں ہاتھوں میں اُٹھا لیا۔ عورت نے خود زندہ بچّے کو تھاما اور دریا کی طرف چل دی۔ میں سائے کی طرح اُس کے ساتھ تھا اور ہمارے پیچھے پیچھے وہ لڑکا چلا آ رہا تھا۔ بکری کا زندہ بچّہ عورت کے ہاتھوں میں بُری طرح ممیا رہا تھا۔ دریا کے قریب پہنچ کر وہ پہلے تو کچھ دیر تک اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔ پھر اُس نے زندہ بچّے کو دریا کے کنارے شیشم کے درخت سے باندھ دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد وہ ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی اور اس کے کہنے کے مطابق میں بھی کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ گیا۔ لوڈ کی ہوئی رائفل کسی بھی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے میرے ہاتھ میں تھی۔ یہ ایک عجیب و غریب اور حیرت ناک تماشا دیکھتے ہوئے قریباً ایک گھنٹہ ہو گیا تھا اور اب مجھے اکتاہٹ اور تھکن کا سا احساس ہونے لگا تھا۔ میں اپنی کمین گاہ سے نکلنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سطحِ آب پر چند بُلبلے نمودار ہوئے اور آہستہ خرام دریائی لہروں میں اضطرابی کیفیت رُونما ہوئی پھر کنارے کے قریب ہلچل سی مچی، اور دیکھتے دیکھتے دریا میں سے وہ سیاہ عفریت نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ محتاط انداز میں بکری کے بچّے کی طرف بڑھنے لگا جو بیچارہ اس مجسّم موت کو اپنی جانب اُمڈتے دیکھ کر اور بھی تیزی سے ممیانے لگا تھا۔ عورت درخت کی گھنی چھاؤں میں بیٹھی تھی ممینے کی چیخ و پکار سُن کر وہ جلدی

سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور پوری قوت سے گلا پھاڑ کر مدد کے لیے چلّانے لگی ۔ وہ اپنی لاٹھی اندھا دُھند فضا میں لہراتی، شور مچاتی، چیختی، چلّاتی دریا کی طرف جارہی تھی۔

"کالے عفریت" نے اُسے اپنی سمت آتے دیکھا تو وہ تیزی سے پلٹا اور پانی میں کود گیا۔ اس کے بعد بُڑھیا واپس آئی اُس نے زندہ بچّے کو اپنی آغوش میں لے لیا اور درخت کے ساتھ اُس بکری کے مُردہ بچّے کو باندھ کر اپنی جگہ پر براجمان ہوگئی۔ میں بدستور اپنے پوشیدہ مورچے میں پناہ گزیں رہا کیوں کہ عورت نے اشارے سے کہہ دیا تھا خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھو۔

عورت کی گود میں دبکا ہُوا میمنہ ایسی شدّت سے غوغا آرائی کررہا تھا کہ گویا وہ اُسے چٹکیاں بھر رہی ہو۔ اِدھر مگرمچھ دریا کے کنارے آدھمکا اور گردوپیش کا بغور جائزہ لینے لگا۔ اور اپنے تُلے قدموں سے اپنے شکار کی جانب گامزن ہوا۔ درخت کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا اور تفتیشی انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ اس کی حرکت سے عیّاری اور مکّاری عیاں تھی۔ گویا واردات سے قبل اپنے تحفّظ کا اطمینان کررہا ہو۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دفعتاً بکری کے مُردہ بچّے پر جھپٹا اور اُسے دبوچ لیا، دو تین بار منہ چلایا، تیزی سے واپس دریا کی راہ لی۔

یہ سب کچھ چند منٹوں میں ہوگیا۔ میں یہ تماشا دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ یہ احساس تک نہ ہُوا کہ کوئی میرے قریب کھڑا ہے، عورت بلند آواز سے مجھے اپنی پناہ گاہ سے باہر آنے کو کہہ رہی تھی۔ جب میں اس کے پاس پہنچا۔ وہ کہنے لگی "صاحب! اب ذرا دریا کی طرف متوجّہ رہو!"

کچھ دیر تو سنّاٹا رہا اور ہم تجسّس و استعجاب کی تصویر بنے ساکن کھڑے اپنی نظریں سطحِ آب پر مرتکز کیے رہے۔ کوئی پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ مگرمچھ پھر دریا کی سطح پر نمودار ہُوا۔ اب کے اُس کی حرکات وسکنات میں اس قدر تُندی و تیزی تھی کہ پہلی نظر میں پہچان نہ سکا۔

مگرمچھ کی اضطرابی و سیمابی کیفیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شدید تکلیف میں مبتلا رہا ہے۔ اس کی بے چینی اور طرّاری میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اور اب حال یہ تھا کہ اپنا غار نما منہ کھولے دریا میں کبھی بہاؤ کے رُخ کرتا اور کبھی چڑھاؤ کی سمت دوڑتا تھا۔ آخر شدید گھبراہٹ کے عالم میں کنارے کی طرف جھپٹا۔ اتنے میں جانور چرانے والے دیہاتیوں نے اُسے دیکھ کر شور مچایا، وہ رہا موذی!

اسی ناگہانی افتاد سے گھبرا کر کالا عفریت پھر دریا میں جا گھسا اور اپنی خوفناک دُم پانی پر پٹک پٹک کر تیزی سے چکّر پہ چکّر کاٹنے لگا۔ چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اُس نے دوبارہ کنارے کا رُخ کیا۔

لوگوں کے غُل غپاڑے کی قطعاً پروانہ کی۔ بُری طرح کا پنتا ہُوا ریت پر آکر لیٹ گیا۔ اور لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ سخت اذیت میں مُبتلا ہے۔ مجھے اس مُوذی کا تڑپنا لوٹنا، اور بل کھانا اچھی طرح یاد ہے، لیکن یہ سب اس کے سابقہ جرائم کے مقابلے میں معمولی تکلیف تھی۔ کچھ دیر میں یہ تماشا دیکھتا رہا۔ پھر میری وفادار رائفل نے ایک شُعلہ اُگلا۔ گولی اُس کی گردن میں لگی۔ اور اس کا کام تمام ہو گیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ جب مگرمچھ نے مُردہ میمنے کو تر نوالہ جان کر نگلا تو معدے میں پہنچ کر اُس کے کمزور ٹانکے ٹوٹ گئے اور چُونا پانی پڑتے ہی اُبلنے لگا۔ اُس سے عفریت کے پیٹ میں اِک آگ سی لگ گئی اور وہ جان لیوا اذیّت میں مبتلا ہو گیا۔ اسی آگ کو بُجھانے کے لیے وہ جس قدر پانی پیتا تھا جلن میں اضافہ ہوتا تھا۔ اسی طرح موذی درندہ اپنے انجام کو پہنچا۔

دریا کے کنارے پر دیہاتیوں کا جمِ غفیر اکٹھا ہو گیا تھا۔ اُن میں وہ مرد اور عورتیں بھی شامل تھے جن کے معصوم بچے اسی بَلا کی بھینٹ چڑھے تھے۔ بعض افراد جوش و غضب میں اُس کے مُردہ جسم کو ٹھوکریں مارتے اور نفرت سے اُس پر تھُوک رہے تھے۔ جب اس خوفناک مگرمچھ کا پیٹ چاک کیا گیا تو اندر سے درجنوں سونے چاندی کی چوڑیاں، انگوٹھیاں اور بے شمار انسانی ہڈّیاں برآمد ہوئیں۔ اس کی کھال آج بھی میرے ڈرائنگ رُوم میں بطورِ "ٹرافی" موجود ہے۔

قِصّہ ایک قلم کا

امتحان میں نقل کرنے والے اسے پڑھنا نہ بھولیں

مجھے اس شوکیس میں پڑے ہوئے تقریباً پندرہ دِن گزر چکے ہیں۔ میں تو یہاں پڑے پڑے اُکتا گیا ہوں۔ لگتا ہے جیسے یہ میرے لئے ایک جیل ہے۔ میری انک (iNK) بھی سوکھتی جا رہی ہے۔ بھلا وہ زندگی بھی کیا جو بغیر عمل کے گزرے۔ آخر کوئی مجھے خریدتا کیوں نہیں ہے۔ کیا میری شکل بہت خراب ہے؟ یا میری قیمت بہت زیادہ ہے؟ —— نہیں۔ میرے دل نے کہا شکل بہت اچھی اور

قیمت بھی مناسب ہے۔ شاید ابھی میرے استعمال کی باری نہیں آئی ہے۔ !!!!!
ابھی میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک بچہ دکان میں داخل ہوا۔ اجمل تمہارے والد صاحب کیسے ہیں؟ دوکاندار نے اس سے دریافت کیا۔ اچھے ہیں اور آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔ مجھے ایک اچھا پین چاہیئے۔ اجمل نے کہا۔ کاش یہ مجھے خرید لے۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی، شاید یہی مقبولیت کا وقت تھا اور میں اس شوکیس سے جیسے میں جیل کہتا ہوں نکل کر اجمل کے ہاتھوں میں آگیا۔
راستے میں اجمل کا دوست عارف بھی ملا۔ ان کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ دونوں دسویں جماعت کے طالب علم ہیں۔ امتحان نزدیک ہیں۔ اس لئے وہ دونوں پڑھائی پر ہی گفتگو کرتے رہے مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ چلو میری زندگی یعنی میری انک (INK) ان بچوں کے نوٹس بنانے اور حقیقتاً علم حاصل کرنے کی طلب میں صرف ہوگی ——— میں نے اب دن رات کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اجمل سارا دن مجھے استعمال کرتا ہے۔ آج کل وہ نوٹس بنا رہا ہے۔ عارف بھی کبھی کبھار آجاتا ہے۔
ایک دن میں اجمل کے کام میں مصروف تھا کہ عارف آگیا۔ اس نے چند پرچے نکال کر اجمل کو دکھائے اجمل ان پرچوں کو دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑا۔ اتنی صفائی، نفاست اور مختصر پھرّے۔ امتحان میں کامیابی یقینی فوٹو اسٹیٹ میں یہ صاف نہیں آئیں گے۔ میں ابھی ان کو اسی طرح لکھ لیتا ہوں۔ اجمل نے کہا لیکن میرے دل سے آواز اُبھری نہیں نہیں۔ میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن بھلا میری آواز بھی کوئی سُن سکتا ہے۔ اتفاق سے اجمل کا ہاتھ مجھ سے ٹکرا گیا۔ اور میں میز کے نیچے گر گیا۔ اجمل نے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ لیکن میں اُسے نہیں ملا۔ اس لئے کہ جو حقیقتاً گناہ سے بچنا چاہتا ہے اللہ اُسے اُس گناہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ میری تلاش میں ناکام ہو کر اجمل نے دوسرا پین نکالا اور اُس سے نقل کے لئے پھرّے بنانے شروع کر دیئے۔ کاش اجمل ان پھرّوں کا استعمال نہ کرے۔ اس کا دل برائی کی طرف راغب نہ ہو۔
میں ساری رات دعا کرتا رہا اور اسی میں صبح ہو گئی۔ نوکرانی نے صفائی کے دوران مجھے اُٹھا کر دوبارہ اجمل کی میز پر رکھ دیا۔
مجھے میز پر ایسے ہی پڑے پورا ایک دن گزر گیا۔ اجمل پڑھنے کے بجائے اب مستقل نقل کیلئے پرچے بنا رہا ہے۔ یہ میرے حق میں بہتر ہی ہے کہ مجھے کسی غلط کام کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔
آج اجمل کا امتحان ہے وہ جلدی جلدی اپنی کتابیں وغیرہ رکھ رہا ہے۔ اُس نے مجھے اپنے جیومیٹری بکس میں رکھ لیا۔ امتحان کی گھنٹی بج چکی ہے اور پیپر شروع ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔ اجمل کی

امتحانی کاپی پر لکھتے ہوئے مجھے انجانی سی خوشی ہو رہی ہے۔ وہ اپنے ذہن سے کام لے رہا ہے۔ میں نے ہر ممکن تیز تیز چلنے کی کوشش کی تاکہ اجمل کا پیپر اچھا ہو جائے ۔ ـــــــ لیکن یہ کیا ــــ اجمل نے اپنی قمیص کی جیب سے ایک پھرّا نکالا ـــــــ نہیں میں اسے نہیں لکھوں گا۔ میں نے احتجاج کرنا چاہا اور میں یقیناً نہیں لکھوں گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا۔

اجمل نے نقل کرنے کے لئے پھرّا اپنی کاپی کے نیچے رکھ لیا۔ اس نے اس کو نقل کرنا چاہا۔ لیکن میں اپنی جگہ اڑا رہا۔ اجمل نے مجھے دو تین بار جھٹکا۔ پھونکا۔ لیکن یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں نقل نہیں کروں گا۔ اور آ ۔۔۔ آ ۔۔۔ آ ۔۔۔۔ آ ۔۔۔۔ آ ـــ آ بے اختیار میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اجمل نے دوسری منزل سے مجھے نیچے پھینک دیا۔ میرا جسم اب نیچے سے ٹوٹ گیا ہے اور میری جان بس نکلنے والی ہے میں نے بے بسی سے سر اوپر اُٹھا کر دیکھا۔ یقیناً اجمل نے دوسرا پین نکال لیا ہو گا اور وہ اب نقل میں مصروف ہو گا۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ میری زندگی غلط کاموں میں استعمال نہیں ہوئی۔

اسے ضرور پڑھ لیجیے!

بعض کُتب اور رسائل میں اکثر ایسی بہت سی معلومات یا معلومات پر مبنی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں، جن کا کوئی مُستند یا مُعتبر حوالہ نہیں ہوتا اور تحقیق پر پتا چلتا ہے کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان معلومات یا واقعات کو محض کُتب یا رسائل میں شائع ہو جانے کی وجہ سے مستند سمجھ لیا جاتا ہے اور یہ ایک سے دوسرے تک اس طرح منتقل ہوتی رہتی ہیں کہ غلط ہونے کے باوجود ان کے علم کا حصّہ بن جاتی ہیں "آنکھ مچولی" نے معلومات کو اُن کی مکمل صحت کے ساتھ اپنے قارئین تک پہنچانے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ وہ ایسی معلومات کی اشاعت سے گریز کرے گا، جن کا کوئی مستند حوالہ نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنے ساتھیوں سے بھی یہی کہنا ہے کہ وہ جب بھی کوئی معلوماتی تحریر، معلوماتِ عامّہ یا تراشے کی شکل میں کوئی معلومات بھیجیں تو اُس کے ساتھ اُن کُتب یا رسائل کا حوالہ ضرور دیں، جہاں سے ان معلومات کو اخذ کیا گیا ہے۔ غیر مستند معلومات "آنکھ مچولی" میں شائع نہیں کی جا سکیں گی۔

عقیل عباس جعفری

گنی چنی معلومات

اعداد ہماری زندگی کا جُزوِ لازم ہیں... ظاہری واقعات ہوں یا باطنی معاملات، یہ سب کسی نہ کسی طرح اعداد اور ہندسوں سے جُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

اعداد سے ہماری زندگی کے اس گہرے تعلق کی اہمیّت کے پیشِ نظر ہمارے محقق ساتھی عقیل عباس جعفری نے بڑی محنت اور جانفشانی سے معلومات کا یہ انوکھا سلسلہ شروع کیا ہے جو اعداد کے گرد گھومتا ہے۔ صفر سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ دیکھیں کہاں جاکر ختم ہوتا ہے... اس مفید سلسلے کو پڑھیے اور اعداد کے حوالے سے اپنی معلومات میں اضافہ کیجیے (ادارہ)

(٦٦)

- قرآنِ پاک میں چھیاسٹھ سو چھیاسٹھ (٦٦٦٦) آیات ہیں۔
- علی گڑھ مدرسۃ العلوم میں قیام کے پہلے برس ١٨٧٥ء میں ٦٦ طلبائے داخلہ لیا تھا۔
- بائیسکل کے ایک اسٹینڈرڈ پہیے کا قطر ٦٦ سینٹی میٹر ہوتا ہے۔
- ایکواڈور رقبے کے لحاظ سے بھی دنیا کا ٦٦ واں بڑا ملک ہے اور آبادی کے لحاظ سے بھی۔
- جوزف کونریڈ روس میں پیدا ہوا تھا، پولینڈ میں پلا بڑھا، ٢١ سال کی عمر تک وہ انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ مگر بعدازاں وہ انگریزی کا نامور ادیب بنا۔ ١٩٢٤ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی عمر ٦٦ برس تھی۔
- زمین سورج کے گرد ٦٦٠٠٠ و ٦٦ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کرتی ہے۔
- دنیا کا ٦٦٪ میگنیشیم سمندری پانی سے نکالا جاتا ہے۔
- نپولین بوناپارٹ اور اسٹالن دونوں کا قد ٦٦ انچ تھا۔
- جو لوئیس، ١٩٣٧ء سے ١٩٤٩ء تک عالمی ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن رہا۔ ان کا انتقال ٦٦ برس کی عمر میں ہوا۔

(٦٧)

- سیّارہ زہرہ، سورج سے ۶۷ ملین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔
- ۱۸۶۹ء میں جب نہرِ سوئز پہلی مرتبہ جہاز رانی کے لیے کھولی گئی تو اس کی افتتاحی تقریب میں ۶۷ جہازوں کا بیڑا اس نہر میں سے گزرا تھا۔
- نیویارک کے ریلوے اسٹیشن گرانڈ سنٹرل ٹرمینل میں ۶۷ ٹریک ہیں۔ اس اسٹیشن پر روزانہ ۶۰۰ ریل گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔
- لیونارڈو ڈاونچی اور پال سی زینے، دونوں نامور مصوروں کا انتقال ۶۷ برس کی عمر میں ہوا تھا۔
- ۱۹۱۱ء میں مانچسٹر کے مقام پر وورسسٹر شائر اور لنکا شائر کے درمیان ایک فرسٹ کلاس میچ کے دوران آرڈی باروزنے ہڈلسٹن کو کلین بولڈ کیا تو ان کی بیلز اُڑکر ۶۷ گز ۶ انچ کے فاصلے پر جاگریں۔
- شمالی امریکہ میں ریڈ انڈینز کے ۶۷ قبیلے آباد ہیں۔
- روس کی ملکہ کیتھرائن اعظم کا انتقال ۱۷۹۶ء میں ہوا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۶۷ برس تھی۔
- جنوبی افریقہ کی ۶۷ فی صد آبادی سیاہ فام افراد پر مشتمل ہے۔

(٦٨)

- ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء کے دوران ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ پر ۶۸ مرتبہ بجلی گری تھی۔
- ۲۵ مئی ۱۹۸۷ء کو برمنگھم میں پاکستان اور انگلستان کے جس ایک روزہ بین الاقوامی میچ میں پاکستان کے چھ کھلاڑی صفر پر آؤٹ ہو گئے تھے۔ اس میں جاوید میانداد نے ۶۸ رنز بنائے تھے۔
- احسان دانش کا انتقال ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۸ سال تھی۔
- ۶۸ درجے فارن ہائٹ پر انسان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔
- لندن میں مختلف شخصیات کے ۶۸ مجسّمے نصب ہیں۔ ڈیوک آف ونگٹن واحد شخصیت ہے جس کے دو مجسّمے نصب ہیں۔
- آغا خان سوم کی امامت کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر انہیں ہیرے جواہرات سے تولا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۸ برس تھی۔
- چین میں مردوں اور عورتوں دونوں کی اوسط عمر ۶۸ برس ہے۔

● یورپ میں دوسری عالمی جنگ ۶۸ ماہ تک جاری رہی تھی۔
● آسٹریلیا کے مشہور سڈنی اوپیرا ہاؤس کی تعمیر میں ۶۸ ملین پونڈ خرچ ہوئے تھے۔
● امام ابوحنیفہؒ کی وفات ۷۶۷ء میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۸ برس تھی۔

(۶۹)

● چاہ زمزم ۶۹ گز گہرا ہے۔
● روس کے ایک باشندے فیوڈور ویسی لیٹ کے ہاں پہلی بیوی کے بطن سے ۶۹ بچے پیدا ہوئے تھے۔
● امریکہ کے عہدۂ صدارت پر فائز ہونے والے معمر ترین شخص رونالڈ ریگن ہیں جو ۶۹ برس کی عمر میں اس عہدے پر فائز ہوئے۔
● دنیا کے سب سے بڑے سمندر بحرالکاہل کا رقبہ ۶۹٫۹۶ ملین مربع میل ہے۔
● برطانوی کاؤنٹی کینٹ کے بالر اے پی فری مین نے فرسٹ کلاس کرکٹ میں ۶۹ مواقع پر ایک اننگ میں دس کی دس وکٹیں لینے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔
● شاہ فیصل کو ۱۹۷۵ء میں قتل کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۹ برس تھی۔
● امریکی دارالحکومت واشنگٹن، ڈسٹرکٹ کولمبیا میں واقع ہے۔ جس کا رقبہ ۶۹ مربع میل ہے۔
● انڈونیشیا کے سابق صدر احمد رحیم سوئیکارنو کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۹ برس تھی۔
● البانیہ میں مردوں اور عورتوں، دونوں کی اوسط عمر ۶۹ برس ہے۔
● امریکی لغت نویس نوح ویبسٹر نے اپنی مشہور لغت ۱۸۲۸ء میں شائع کی اس وقت ان کی عمر ۶۹ برس تھی۔
● گرونانک کا انتقال ۱۵۳۸ء میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۹ برس تھی۔

"چھُن چھُن چھُن" اور "بید کی کہانی" کے مصنف، نامور دانشور ڈاکٹر جمیل جالبی کی ایک اور دلچسپ اور سبق آموز کہانی آنکھ مچولی کے آئندہ شمارے میں پڑھنا نہ بھولیے!

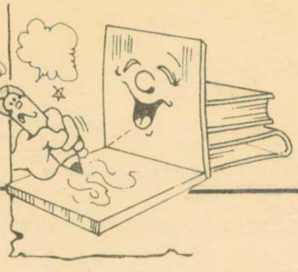

آئینے دھوکہ دیتے ہیں

صالح ارشاد

آپ لوگ روزانہ نجانے کتنی دفعہ بال وغیرہ سنوارنے کیلئے اپنی شکل آئینہ میں دیکھتے ہوں گے اگر کوئی آپ سے کہے کہ آئینے میں جو شکل آپ کو نظر آتی ہے وہ آپ کی اصل صورت سے مختلف ہوتی ہے تو ہنسیں گے اور کہنے والے کو یقیناً بے وقوف سمجھیں گے۔ کیونکہ ہم تو آج تک یہی سنتے آئے ہیں کہ آئینے ہمیشہ سچ بولتے آئے ہیں لیکن امریکہ میں رہنے والے ایک صاحب کہتے ہیں کہ آئینے دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ آپ کو وہ شکل نہیں دکھاتے ہیں۔ جو آپ کی ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے مختلف شکل دکھاتے ہیں یعنی آپ جو شکل آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ وہ اس سے مختلف ہوتی ہے۔ جو دوسرے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

پال فیکٹو PAVL FECTO کہتے ہیں۔ ایک عام آئینہ دن میں کئی بار آپ کو دھوکہ دیتا ہے یہ دھوکہ اس طرح ہوتا ہے کہ جب آپ آئینہ دیکھتے ہیں۔ تو آئینہ آپ کی صورت کو اُلٹ کر دکھاتا ہے یعنی آپ کے چہرے کا دایاں حصہ آئینے میں بایاں حصہ بن جاتا ہے اور بایاں حصہ دایاں بن جاتا ہے اس طرح آئینے میں بننے والی شبیہہ اُلٹی بنتی ہے۔ اس طرح آپ اپنا وہ چہرہ نہیں دیکھتے ہیں۔ جو دوسرے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

فیکٹو اور ان کے ساتھی لیری زیگلین LARRY ZAGLIN نے ایک نئی قسم کا آلہ آئینہ بنایا ہے۔ جس کو انھوں نے "سچا آئینہ" کا نام دیا ہے۔ اس طریقہ کے تحت دو آئینہ ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں کہ آئینہ ۹۰ کا درجہ بناتا ہے۔ جب کہ دوسرا آئینہ ۷۵ درجہ کا زاویہ بناتا ہے اس طرح ایک آئینے پر بننے والی اُلٹی تصویر منعکس ہو کر دوسرے آئینے پر سیدھی ہو کر پڑتی ہے یعنی دوہرے انعکاس کا عمل ہوتا ہے اس آئینے میں نظر آنے والی تصویر آپ کا اصل چہرہ ہوتا ہے

آئینہ میں اصل دیکھنے کے لئے دونوں آئینوں کے درمیان دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ آئینے پلاسٹک سے بنائے جائیں گے تاکہ ان کا وزن آئینوں کے مقابلوں میں کم ہو اور ان کی تقریباً ۱۵ ڈالر یعنی ۳۵۰ روپے پاکستانی ہو گی۔

سب سے زیادہ لوگ ان آئینوں کو پسند کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ وہ اپنی شکل آئینہ میں بالکل اسی طرح دیکھیں جیسے دنیا ان کو دیکھتی ہے۔

فیکٹو FECTO صاحب کے خیال میں خواتین اِن آئینوں کو زیادہ پسند کریں گی۔ کیونکہ وہ یہ ضرور جاننا چاہیں گی کہ وہ دراصل دوسروں کو کیسی نظر آتی ہیں۔ خصوصاً میک اپ کرتے وقت یہ آئینے بہت سودمند ہوں گے۔

کیونکہ خواتین جب میک اپ کرتی ہیں تو وہ اس سلسلے میں بہت بے چین رہتی ہیں کہ وہ کیسی لگ رہی ہیں۔

راہ نُما
سچّی قرآنی کہانیوں کا
خوبصورت مجموعہ

قرآن کی سچّی کہانیاں
بچوں کی تربیت میں
نہایت اہم کردار
ادا کرسکتی ہیں
راہ نُما کے حصول کے لیے
دس روپے کے
ڈاک ٹکٹ ارسال کیجیے ،

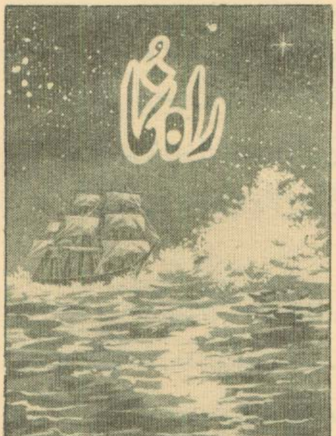

ایک ضروری بات

ادارہ آنکھ مچولی نے بارہا اپنے لکھنے والوں سے درخواست کی ہے کہ وہ نقل شدہ تحریروں کے بجائے ہمیں اپنی ذاتی تحریریں بھجوائیں۔ خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں، لیکن بار بار کی یاد دہانیوں کے باوجود بھی بعض ساتھی ہمیں دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے بھجوا دیتے ہیں۔ ایسا کرنا بد دیانتی بھی ہے اور تکلیف دہ عمل بھی۔ نقل شدہ تحریریں بھجوانے کے اس منفی رجحان کو روکنے کے لیے ہم اپنے قارئین ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تمام تحریریں بغور پڑھیں اور اگر چوری کی ہوئی یا نقل شدہ کوئی تحریر دیکھیں تو براہِ کرم فوراً اس کی نشاندہی کریں۔ چوری کی تحریریں بھجوانے والوں کے لیے ہمیں مجبوراً "بلیک بکس" کا ایک سلسلہ شروع کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ گویا ایک چھوٹی سی سزا ہے۔ جو ساتھی بھی ہمیں نقل شدہ تحریر بھجوائے گا ہم اُس کا نام اور پتہ "بلیک بکس" میں شائع کیا کریں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ "آنکھ مچولی" میں آئندہ ان کے نام سے کبھی کوئی تحریر شائع نہ ہو سکے گی۔ (بلیک بکس "ننھی نگارشات" کے آخری صفحے پر دیکھیے۔)

مختلف ممالک کے نظام الاوقات

جب پاکستان میں بارہ بجتے ہیں تو
افغانستان میں ساڑھے گیارہ بجتے ہیں
آسٹریلیا میں ۰۰ — ۵ (شام) بجتے ہیں
ایران میں ۳۰ — ۱۰ (صبح) بجتے ہیں
امریکہ میں ۰۰ — ۱ (رات (دوسرے دن) بجتا ہے
برطانیہ میں ۰۰ — ۷ (صبح) بجتے ہیں۔
بھارت میں ۳۰ — ۱۲ (دوپہر) بجتے ہیں۔
سری لنکا میں ۳۰ — ۱۲ (دوپہر) بجتے ہیں
سعودی عرب میں ۰۰ — ۱۰ (صبح) بجتے ہیں
عراق میں ۰۰ — ۱۰ (صبح) بجتے ہیں
فرانس میں ۰۰ — ۸ (صبح) بجتے ہیں
بنگلہ دیش میں ۰۰ — ۱ (دوپہر) بجتا ہے
کینیڈا میں ۰۰ — ۱ رات (دوسرے دن) بجتا ہے
لیبیا میں ۰۰ — ۸ (رات) بجتے ہیں

ہم سب کا ایک ہی نعرہ

مرسلہ۔ محمد مشتاق قریشی۔ کراچی

پیارا پیارا چاند ستارہ
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

اس کی شان بڑھائیں گے ہم
اس کی آن بڑھائیں گے ہم
اس کا مان بڑھائیں گے ہم

چاند ستارہ پیارا پیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

پرچم ہے عظمت کا سایا
ساری ملّت کا سرمایہ
قائدِ اعظمؒ نے فرمایا

ہم نے لہو سے اس کو نکھارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

عقل مند کسان

سعید ہارون، چنیوٹ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ شکار کے لیے جنگل کی طرف نکل گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر اپنا گھوڑا بہت دوڑایا مگر اُسے شکار نہ ملا۔ واپسی پر اُسے ایک کسان کھیت میں ہل چلاتے ہوئے نظر آیا۔ بادشاہ نے گھوڑا روکا اور اس سے پوچھا کہ تم روزانہ کتنے پیسے کما لیتے ہو؟ کسان نے جواب دیا "حضور! میں روزانہ چار روپے کما لیتا ہوں۔۔ بادشاہ نے دوبارہ پوچھا کہ "تم وہ روپے کیسے خرچ کرتے ہو؟" اس پر کسان نے جواب دیا۔

"حضور ایک روپیہ تو خرچ کرتا ہوں۔ دوسرا روپیہ اُدھار دے دیتا ہوں۔ تیسرا روپیہ دے کر قرضہ اُتارتا ہوں اور چوتھا روپیہ کنویں میں پھینک دیتا ہوں۔" بادشاہ کسان کی بات سُن کر حیران رہ گیا اور کہا کہ "میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا"

کسان نے عرض کیا۔

"حضور ایک روپیہ میں اپنے اور اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہوں۔ دوسرا روپیہ اپنے بچّوں پر خرچ کرتا ہوں، اس لیے کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا اور کام کاج نہ کر سکوں گا تو وہ مجھے کھلائیں پلائیں گویا یہ روپیہ میں ادھار دیتا ہوں۔ تیسرا روپیہ اپنے بوڑھے ماں باپ کو دیتا ہوں۔ کیوں کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا تھا اور مجھے قرضہ دیا تھا گویا یہ روپیہ میں قرض ادا کرتا ہوں۔ باقی ایک روپیہ میں خیرات کرتا ہوں جیسے میں یہ روپیہ کنویں میں پھینکتا ہوں تاکہ آخرت میں انعام پاؤں۔"

بادشاہ کسان کا جواب سُن کر بہت خوش ہوا اور اس سے کہا "تم وعدہ کرو یہ باتیں اُس وقت تک کسی کو نہیں بتاؤ گے جب تک تم میرا چہرہ ایک سو مرتبہ نہ دیکھ لو"۔ کسان نے بادشاہ سے وعدہ کر لیا

دوسرے دن بادشاہ نے اپنے وزراء سے کہا کہ

"ہمارے شہر میں ایک کسان رہتا ہے جو ایک روپیہ کھاتا ہے، دوسرا اُدھار دیتا ہے، تیسرے سے قرضہ ادا کرتا ہے اور چوتھا کنویں میں پھینک دیتا ہے۔ بتاؤ کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ وزراً بادشاہ کے سوال کا جواب نہ دے سکے۔

ایک وزیر کو علم تھا کہ فلاں دن بادشاہ فلاں کسان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس بات کا مطلب دریافت کرنے کے لیے اس کسان کے پاس گیا۔

کسان نے جواب دیا کہ "میں نے بادشاہ سے وعدہ کر لیا ہے کہ جب تک میں بادشاہ کی صورت ایک سو مرتبہ نہ دیکھ لوں، اس وقت تک ان باتوں کا مطلب کسی کو نہیں بتاؤں گا"۔ چالاک وزیر نے ایک دم ایک سو اشرفیاں نکال کر کسان کو دیں اور کسان نے اُسے فوراً اُن باتوں کا مطلب وزیر کو بتا دیا۔

دوسرے دن وزیر نے دربار میں جاکر بادشاہ کو سارا مطلب بتا دیا۔ بادشاہ فوراً سمجھ گیا کہ وزیر کو کسان نے یہ بات بتائی ہے۔ اگلے دن کسان کو دربار میں بُلا کر پوچھا کہ "تم نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کیوں کی ہے؟" کسان نے عرض کیا "حضور! وہ راز بتانے سے پہلے میں نے وعدے کے مطابق آپ کا چہرہ ایک سو مرتبہ دیکھا"۔ یہ کہہ کر اُس نے سو اشرفیاں بادشاہ کے سامنے رکھ دیں، جن میں سے ہر ایک پر بادشاہ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ بادشاہ کسان کی عقل مندی سے اتنا خوش ہوا کہ اس کو ایک سو اشرفیاں اور انعام میں دیں اور دربار سے

رخصت کیا۔

اس طرح عقل مند کسان نے اپنی عقل مندی سے بادشاہ سے اتنا سارا انعام لیا اور باقی زندگی ہنسی خوشی گزارنے لگا۔

بڑوں کا ادب

محمد سعید گلاب، کورنگی

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے تھے۔ جب دین کی باتیں ہر آدمی کو معلوم نہ تھیں کہ ایک دِن ایک بوڑھا مسجدِ نبویؐ آیا اور وہاں وضو کرنے لگا۔ یہ بوڑھا مسلمان تو ہو گیا لیکن اُس نے وضو کرنے کا طریقہ نہ سیکھا تھا۔ اس لیے وہ ٹھیک طریقے سے وضو نہ کر پا رہا تھا۔ اتفاق سے اُس وقت مسجد میں دو بچے بھی تھے۔ اُن کی عمریں تو کم تھیں لیکن وہ دین کی ساری ضروری باتیں اچھی طرح جانتے تھے۔ بچّوں نے جب اُس بوڑھے کو غلط طریقے سے وضو کرتے دیکھا تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ اُسے وضو کا ٹھیک طریقہ بتائیں۔ یہ بالکل آسان بات تھی کہ وہ اُس کے پاس جا کر کہہ دیتے کہ بڑے میاں، آپ وضو کرنے کا طریقہ نہیں جانتے لیکن ایسا کرنے سے وہ شرمندہ ہوتا۔ دونوں بھائیوں نے یہ بات مناسب نہ سمجھی کہ وہ اُسے ٹوکیں اور پھر اُسے طریقہ سمجھائیں۔ وہ دونوں اُس بوڑھے کے پاس بیٹھ گئے اور ایک بھائی نے دوسرے سے کہا۔ بھائی جان میں وضو کرتا ہوں مہربانی کر کے آپ دیکھتے رہیے اگر میں کوئی غلطی کروں تو بتا دیجیے گا۔ یہ کہہ کر وہ وضو کرنے لگا۔ وہ بوڑھا بھی اُنہیں دیکھتا رہا۔ اور اُسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ غلط طریقے سے وضو کر رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہے یہ دونوں بچّے کون تھے۔ یہ دونوں حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے اور حضرت فاطمہؓ کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام حسنؓ اور دوسرے کا نام حسینؓ تھا۔

نئی ڈکشنری

عمارہ تسلیم، گل بہار کراچی

دائیں سے بائیں پڑھیں

۱ A راغر انتھو خیرا
۲ B نااسکول گئی ہے
۳ C.T کون بجا رہا ہے؟
۴ D گال فرانس کے صدر تھے
۵ G نا یہاں مرنا یہاں
۶ I تھی پھر چلی گئی
۷ J لوں میں قیدی کام کر رہے ہیں
۸ K لے ہمارے ابو لے کر آئے
۹ M ری کا، کا دارالحکومت واشنگٹن ہے
۱۰ O لے کوئٹہ میں بہت پڑتے ہیں
۱۱ P کر پانی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا چاہیے
۱۲ R ری سے لکڑی کاٹتے ہیں

قلعے کی قید

دیجان اختر ۔ نامعلوم

اسامہ سیکنڈری اسکول کی گھنٹی ساڑھے بارہ بجے بجی تو تمام طالب علم اسکول کے اندر اسمبلی کے لیے قطار میں کھڑے ہونے لگے ۔ مسلم ، لطیف اور دلاور جو ایک دوسرے سے بہت نفرت کرتے تھے ۔ ایک دوسرے کو نفرت بھری نگاہوں سے گھور رہے تھے اور دوسرے تمام طالب علم دعائیہ الفاظ ادا کر رہے

تھے کہ ؎ لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

عبید جو کہ لطیف مسلم اور دلاور کے ساتھ اُن ہی کی جماعت میں پڑھتا تھا ۔ اور جانتا تھا کہ مسلم جو کہ مہاجر ، لطیف جو کہ سندھی اور دلاور جو کہ پٹھان تھے ایک دوسرے سے سخت نفرت کرتے ہیں ۔ اس وجہ سے اُس نے سوچا کہ کیوں نہ ان تینوں کے دلوں سے یہ قومیت کی، اختلاف کی نفرت دُور کی جائے ۔

اس لیے اُس نے مُسلم ، لطیف اور دلاور کے گھروں پر جاکر یکے بعد دیگرے انہیں سکندر پور کے پرانے

نقل شدہ، طویل اور غیر معیاری تحریریں شائع نہ ہوسکیں گی۔

قلعے کے قریب پکنک منانے جانے کے لیے جمعہ کے دن نو بجے پہنچنے کے لیے کہا تینوں دوستوں نے آمادگی ظاہر کی ۔ مسلم اپنے گھر میں یہی سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ پکنک مناتے ہوئے لطیف اور دلاور کو کچھ نقصان پہنچایا جائے ۔ لطیف اور دلاور بھی اپنے اپنے گھروں میں یہی سوچ رہے تھے مگر لطیف تو مسلم اور دلاور سے دو ہاتھ آگے نکلا اور اُس نے سوچا کہ کیوں نہ عبید کے گھر جاکر پکنک کو کسی جھوٹ کے بہانے ملتوی کر دیا جائے اور اُس نے ایسا ہی کیا مگر پکنک کو ملتوی کرانے جب وہ عبید کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہا کہ مسلم اور دلاور نے کسی مجبوری کی وجہ سے پکنک کو ملتوی کر دیا ہے یہ سن کر عبید نے حیرانگی سے لطیف سے پوچھا کہ مسلم اور دلاور سے تمہاری بات بات چیت کیسی ہوئی تو لطیف نے جھوٹ کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہم اب نفرت کو بھلا چکے ہیں۔

جمعہ کے دن جب مُسلم ، لطیف اور دلاور تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفوں سے قلعے پر پہنچے تو موسم ابر آلود تھا ۔ کافی دیر تک عبید کا انتظار کرنے کے بعد

تینوں نے گھر لوٹنے کا فیصلہ کیا مگر بارش بڑی تیزی سے ہونے لگی۔ اُن کی سائیکلیں کیچڑ میں پھنسنے لگیں۔ توانہوں نے قلعے کے اندر پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ قلعے کے دروازے پر ایک نوٹس بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر انگریزی میں کچھ عبارت درج تھی۔ مسلم جو انگریزی پڑھنے میں اور سمجھنے میں تیز تھا، عبارت کو پڑھنے لگا۔

"اس قلعے کے آس پاس علاقے یا قلعے کو نقصان پہنچانا منع ہے۔"

اس کے بعد وہ قلعے کے اندر داخل ہو گئے قلعے کے اندر جانے کے بعد وہ گھومنے کی غرض سے تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ خستہ حال قلعے کا اگلا حصّہ یعنی دروازے والا حصہ ڈھ گیا اور وہ تینوں قلعے کے اندر بند ہو گئے۔ قلعے کے اندر انہیں پورے پانچ گھنٹے گزر گئے تو اُن کو تھکن کی وجہ سے نیند آ گئی۔

اب عبید کا حال سُنیے وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ مسلم لطیف اور دلاور ایک دوسرے سے نفرت نہیں بلکہ اب محبت کرتے ہیں۔ اس لیے اُس نے پہلے مسلم کے گھر جانے کا ارادہ کیا مگر مُسلم کے والدین نے اُس سے کہا کہ وہ تو تمہارے ہی گھر پر گیا ہوا ہے اس کے بعد وہ دلاور اور لطیف کے گھروں پر گیا۔ اور وہاں سے بھی یہی جواب سُن کر اُس کے بدن میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی اور وہ تینوں کے والدین کو لے کر قلعے کی طرف گیا۔ وہ لوگ جب قلعے پر پہنچے تو وہاں سائیکلیں پڑی ہوئیں اور قلعے کا اگلا حصّہ گرا ہوا دیکھا تو جلدی جلدی ملبے کو سب مل کر ہٹانے لگے۔

قلعے کے اندر تینوں الگ الگ سو رہے تھے مگر نہ جانے کہاں سے ایک کالا سانپ پھنکارتا ہوا مسلم کی طرف بڑھا دلاور کی آنکھ اچانک کھُل گئی۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ سانپ تو مسلم کی طرف بڑھ رہا ہے تو اُس نے سانپ کو مسلم کی ٹانگ کی جانب جلنے دیا اور سانپ نے مسلم کی ٹانگ پر ڈس لیا۔ جس کی وجہ سے مسلم درد سے تڑپنے لگا۔ مگر دلاور سے یہ سب کچھ نہ دیکھا گیا اور اُس نے مسلم کی ٹانگ سے سانپ کا زہر چوس چوس کر باہر پھینکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد زہر نکل جانے کی وجہ سے وہ ٹھیک ہو گیا۔ تو لطیف نے مسلم سے کہا کہ تم کو سانپ نے ڈس لیا تھا مگر دلاور نے تمہاری جان بچائی۔ یہ سُن کر مسلم نے شرمندگی محسوس کی اور سوچا کہ جن کو میں نقصان پہنچانا چاہتا تھا انہی نے میری جان بچائی ہے، اس لیے اُس نے کہا کہ اس قلعے کے باہر جو عبارت درج تھی اُس کو میں نے غلط پڑھا تھا اُس پر لکھا ہوا تھا کہ۔

"اس قلعے میں جانا خطرناک ہے۔ کیونکہ بارش ہونے کی وجہ سے یہ قلعہ ڈھ سکتا ہے۔"

یہ سب کچھ سُن کر دلاور نے بھی بتایا کہ اُس نے سانپ کو تمہاری طرف آتے ہوئے دیکھ لیا

تھا اگر تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے اُسے نہ روکا۔ مجھے معاف کر دو۔

یہ سُن کر لطیف کی بھی ہمت بندھی اور اُس نے کہا کہ عبید کو میں نے ہی قلعے پر پہنچنے سے منع کیا تھا۔ اس لیے کہ موقع ملتے ہی میں تم دونوں کو نقصان پہنچا سکوں۔ یہ سب کچھ سُن کر تینوں نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا اور سچے دوست بن گئے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم مہاجر، سندھی اور پٹھان نہیں بلکہ ایک پاکستانی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اُنہیں کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی اور وہ قلعے کے دہانے کی طرف بھاگے تو دیکھا کہ راستہ صاف ہو چکا ہے تو اُنہوں نے عبید اور اپنے والدین کو آواز دی تھوڑی دیر کی محنت کے بعد وہ قلعے کے باہر تھے۔

اگلے دن جب وہ اسکول میں پہنچے تو اُن کی نگاہوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت نہیں بلکہ محبّت تھی۔

کُلیات

درخواست: علی شاھد، لاوہ، چکوال

درخواست + رشوت = منظوری

میٹر - واپڈا = اندھیرا

ظلم + سفارش = ملزم بری

ڈاکو ÷ مال = غریب کا خاتمہ

انسان + ہمدردی = اپنا مطلب

جو تحریر آپ ہمیں بھجوائیں اس کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھیں اور ہم سے واپسی کا تقاضہ نہ کریں۔

انڈا × ڈنڈا = طالب علم

کتابیں + بچہ = گدھا

کون، کیا ہے۔

کاشف طاھر - ملیر توسیع، کراچی

۱۔ دماغ = وزیرِاعظم

۲۔ سر = وزیرِتعلیم

۳۔ کان = وزیرِاطلاعات

۴۔ معدہ = وزیرِخوراک و زراعت

۵۔ دِل = وزیرِخزانہ

۶۔ ہاتھ = وزیرِمحنت

۷۔ ناک = وزیرِصحت

۸۔ دانت = وزیرِصحت و عوامی بہبود

۹۔ آنکھ = وزیرِقانون

۱۰۔ جلد = وزیرِدفاع

۱۱۔ پاؤں = وزیرِرسل و رسائل

۱۲۔ زبان = وزیرِنشریات

۱۳۔ پھیپھڑے = وزیرِداخلہ

روبوٹ

عامر فاروقی - انگریزی کتاب ROBOTS سے ترجمہ

روبوٹ نام ، ایک سائنس کے متعلق لکھنے والے مصنّف کیرل کیپک KAREL CAPEK نے ۱۹۲۲ء میں CZECHOSLOVAKIA میں تجویز کیا تھا۔ یہ نام CZECH زبان سے ہے اور اس کے معنی ہیں کام

آج کل کے زمانے میں دنیا کے پاس دو مشہور روبوٹ ہیں۔ C-3PO اور R2-DZ0

یہ سب باتیں، جو کہ ہم فلموں میں دیکھتے ہیں کہ روبوٹ نے دریا کا رُخ موڑ دیا یا جنگل میں آگ لگا دی۔ تو یہ سب حقیقت نہیں ہے لیکن کچھ روبوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ خود سوچتے ہیں، خود چلتے ہیں اور ہمارے لیے کام کرتے ہیں۔

اگر آپ ایک روبوٹ بنانا چاہتے ہیں تو پہلے آپ اُس کا دماغ بنائیں گے تاکہ وہ سوچ سکے پھر آپ کو ایک مشینی جسم چاہیے تاکہ یہ کام کر سکے۔ پھر آپ نے اس میں سُننے بولنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہے، پھر آپ اُس میں پہیے لگا دیں تاکہ اِدھر اُدھر پھر سکے۔ لیجیے آپ کا روبوٹ تیار ہے۔

فرض کیجیے آپ بیمار ہیں اور اُٹھ کر ناشتہ نہیں کر سکتے۔ اور روبوٹ آپ کے پاس کھڑا ہے۔ آپ نے ناشتہ کرنا ہے تو آپ روبوٹ کو حکم دیں گے کہ اُس جگہ فریج پڑا ہے، وہ سفید رنگ کا ہے۔ لمبائی میں اتنا اور چوڑائی میں اتنا ہے، وہ اس طرح کھُلتا ہے، اندر انگور کا جام رکھا ہے، وہ جامنی رنگ کا ہے، اتنے سینٹی میٹر ہے، اُسے کھول کر ڈبل روٹی پہ لگانا ہے جو کہ ڈبل روٹی سفید ہے۔ اتنی سینٹی میٹر ہے۔ میز پر ایک کپ پڑا ہے، جو سفید ہے اُس پر پھول بنے ہوئے ہیں، اُس میں چائے لاؤ" اتنی لمبی تقریر کرنے سے تو آپ کی بیماری اور بھی بڑھ جائے گی اور اس کے برعکس آپ اپنی امّی کو یہ کہیں گے کہ "امّی مجھے ناشتہ دے دیں"

روبوٹ ایک بہت کارآمد مشین ہے جو کہ ہمارے مستقبل میں ہمارے بہت کام آئے گی۔ آج کل امریکہ اور روس میں لوگ روبوٹ سے مختلف کام لیتے ہیں۔ جو کہ مشکل بھی ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں صحیح حکم ملتے جائیں تو وہ ہر کام کر سکتے ہیں اگر اُس کام کی صلاحیت اُن میں پیدا کی گئی ہو۔ پچھلے دنوں ایک

خلائی شٹل ہو کہ روس کی تھی اُسے دو روبوٹ کے ذریعے اُڑائی گئی۔

اگلے دس سالوں میں روبوٹ سستے ہو جائیں گے تو یہ ہمارے بہت کام آئیں گے۔ اور اگر کوئی ہاتھ پاؤں سے معذور ہے تو اُس کا ہر کام آسان ہو جائے گا۔ اور وہ روبوٹ کی مدد سے کار اور ہوائی جہاز بھی چلائے گا۔

ذہن آزمائیے

مرسلہ:۔ محمد کامران عثمانی۔ بن قاسم کراچی

۱۔ ذرا یہ بتائیں تو وہ کیا چیز ہے کہ جو شخص اُسے تیار کرتا ہے، اُسے اُس کی ضرورت نہیں ہوتی جو شخص اُسے خریدتا ہے، وہ خود اُسے استعمال نہیں کرتا اور جس کے استعمال میں آتا ہے وہ اُس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔

۲۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا تھا۔ لاہور شہر کی زبردست تباہی ہوئی اور نقصان پہنچا۔ لیکن اس کے باوجود دریائے راوی کے کنارے ہونے کے بادشاہی مسجد کو آنچ بھی نہیں آئی۔ کیوں؟

۳۔ ایک دیہاتی بھوسے کی ایک گٹھڑی سر پر اُٹھائے دریا پار کر رہا تھا کہ عین درمیان میں اُس کی گٹھڑی کھل گئی۔ بتائیے وہ کیا کرے کہ بھوسے کا ایک تنکا نہ ضائع ہو۔؟

۴۔ بحیرۂ احمر میں ایک خاص قسم کی شارک مچھلی پائی جاتی ہے جو اپنے شکار کو دیکھ کر سانپ کی طرح پھنکارتی ہے۔ بتائیے کیوں؟

۵۔ بہت سوچ کر ذرا یہ بتائیں کہ کہاں جون، جولائی کے بعد اور جولائی اگست کے بعد آتا ہے؟

۶۔ اُن دو کتابوں کے نام بتائیے جنہیں تمام مذاہب کے لوگ یکساں طریقے سے پڑھتے ہیں؛

۷۔ ایک جگہ چند مزدور آثارِ قدیمہ دریافت کرنے کے لیے کھدائی کر رہے تھے کہ اچانک اُن میں سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور ماہرِ آثارِ قدیمہ کو ایک سکّہ دیا جس پر نامعلوم زبان تحریر تھی اور ایک طرف لکھا تھا ۳۵۰ ق م، لیکن ماہرِ آثارِ قدیمہ نے غور کرنے پر اُس سکے کو جعلی قرار دیا۔ بتائیے کیوں؟

۸۔ بتائیں انسان کے چلنے WALKING اور دوڑنے RUNNING میں کیا بنیادی فرق ہے؟

۹۔ وہ کون سی چیز ہے جو ضرورت کے وقت پھینک

اپنی نگارشات صاف، خوشخط، کاغذ کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔

دیتے ہیں اور جب ضرورت نہیں ہوتی تو اُٹھا
کر رکھ لیتے ہیں؟

۱۰۔ ایک بلی ایک تیس فٹ گہرے گڑھے میں گر گئی۔ وہ ہر روز تین فٹ اُونچی چھلانگ لگاتی ہے لیکن دو فٹ نیچے پھسل جاتی ہے ...
بتائیے وہ کتنے دنوں بعد گڑھے سے نکلے گی؟

جوابات

۱۔ کفن ۲۔ اکبر کے زمانے میں بادشاہی مسجد نہیں بنی تھی۔ ۳۔ وہ ایک تنکا اُٹھالے ۴۔ بحیرۂ احمر جسے بحیرۂ مُردار بھی کہتے ہیں اس کا پانی بہت نمکین ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی بھی مچھلی نہیں پائی جاتی۔ ۵۔ ڈکشنری میں ۶۔ ٹیلیفون ڈائرکٹری اور ڈکشنری ۷۔ سکّہ واقعی جعلی تھا۔ کیونکہ سکّے پر ۳۵۰ ق م یعنی (حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ۳۵۰ سال قبل) لکھا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے لوگوں کو ۳۵۰ سال پہلے ہی کس طرح یہ پتا چل گیا کہ آج سے ۳۵۰ سال بعد حضرت عیسٰیؑ تشریف لائیں گے۔ لہٰذا سکّہ جعلی تھا۔ ۸۔ چلنے میں ایڑی پہلے اُٹھتی ہے اور بھاگنے میں پنجہ ۹۔ بحری جہاز کا لنگر۔ ۱۰۔ بلی روز ایک فٹ اونچی چھلانگ لگاجاتی ہے لہٰذا وہ ۲۷ دنوں میں ۲۷ فٹ اوپر جائے گی اور ۲۸ ویں دن تین فٹ اُونچی چھلانگ لگا کر گڑھے سے باہر ہوگی۔

نظر نہ آنے والی سیاہی

ہم آپ کو نظر نہ آنے والی INK بنانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اس کے ذریعے آپ خفیہ پیغامات بھیج سکتے ہیں۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل سامان درکار ہوگا۔

ایک لیموں، گلاس، قلم، موم بتی، سفید کاغذ اور دیاسلائی۔

لیموں کو کاٹ کر گلاس میں اس کا رس نچوڑ لیں بس یہی آپ کی INK ہے۔ اب اپنے قلم کے ذریعے لیموں کے رس کو بطور INK استعمال کرتے ہوئے کوئی بھی خفیہ تحریر سفید کاغذ پر لکھ دیجیے۔ اسے سوکھنے دیجیے۔ یہ نظر نہیں آرہی ہوگی۔ اگر آپ اسے دیکھنا چاہیں تو کاغذ کو موم بتی کے اوپر تقریباً چھ۔ سات سینٹی میٹر کے فاصلے پر گرم کریں۔ گرم کرنے کے دوران کاغذ کو مسلسل ہلاتے جائیں تاکہ کوئی بھی حصّہ بہت زیادہ گرم ہو کر جل نہ جائے۔

آپ دیکھیں گے کہ لیموں سے لکھی گئی تحریر جو کچھ دیر پہلے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اب ہلکے بھورے رنگ کی تحریر کی صورت میں نمایاں ہوگئی ہے۔

قرآن مجید ایک نظر میں

مسعود عالم برقی۔ کراچی

۱۔ مدنی سورتوں میں سب سے بڑی سورۃ البقرہ ہے۔ ۴۰ رکوعات اور ۲۸۶ آیات۔

۲۔ مدنی سورتوں میں سب سے چھوٹی سورۃ النصر ہے۔ ایک رکوع اور تین آیات۔

۳۔ مکی سورتوں میں سب سے بڑی سورۃ الاعراف ہے۔ ۲۴، رکوعات ، ۲۰۶، آیات

۴۔ مکی سورتوں میں سب سے چھوٹی سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر ہیں ، ایک رکوع اور ۳، آیات

۵۔ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج تمہارا دین مکمل ہوا۔

ٹیلی ویژن

محمد جمیل اشرف ، گجرات

ٹیلی ویژن موجودہ زمانے کی ایک اہم ضرورت ہے آج کل تقریباً ہر گھر میں موجود ہے اور اس کا استعمال دن بدن بڑھ رہا ہے۔ یہ ایک ایسی سائنسی ایجاد ہے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی دکھائی دیتی ہے۔ ٹیلی ویژن کو برطانیہ کے ایک شخص جان لوئی گی بیرڈ نے ایجاد کیا۔ اس کو بچپن سے تجربات کرنے کا بہت شوق تھا۔ اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے اُس نے بہت سے ملکوں کی سیر کی اور اس نے سوچا کہ جب ہوا کی لہروں پر آواز دُور دُور تک چلی جاتی ہے تو کیا ان لہروں پر تصویر بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ تک نہیں جا سکتی اُس نے ارادہ کر لیا کہ اب وہ اپنے مقصد کو پورا کر کے ہی رہے گا آخر مسلسل کوشش اور محنت کے باوجود اُسے اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی ۔

پہلے پہل شکل صاف نظر نہیں آتی تھی لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تصویر بھی واضح نظر آنے لگی اور رنگوں کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

ٹیلی ویژن کے کیمروں میں ایک عدسہ لگا ہوتا ہے جب بھی کوئی منظر دکھانا ہو تو اُس کی طرف کیمرے کا عدسہ کر دیا جاتا ہے۔ عدسہ اس منظر کی تصویر ایک پردے پر بنا لیتا ہے اور اسے لہروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر ٹیلی ویژن اسٹیشن سے ایک دوسرے مقام تک بھیجا جاتا ہے پھر ان لہروں کو گھروں پر لگے ہوئے ٹی وی سیٹ کے ایریل وصول کر لیتے ہیں۔ ٹیلی وژن کا ریسیور ان لہروں کو دوبارہ آواز اور تصویر میں بدل دیتا ہے۔

اس طرح ہم مختلف پروگراموں سے گھر بیٹھے لطف اُٹھا سکتے ہیں مگر پھر بھی اس کے استعمال کا مزہ تو تب ہی ہے جب ہم اپنا کام مکمل کر کے اُسے استعمال میں لائیں۔ کیونکہ اس کو ہر وقت دیکھنے سے ایک تو ہمارا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ ہماری آنکھوں پر بُری طرح اثر انداز ہو سکتا ہے۔

اتاترک مصطفیٰ کمال

محمد سلمان خان سنبل ، بورے والہ

یورپ کی پہلی جنگِ عظیم کے بعد ترک قوم کے دوبارہ زندہ ہونے کی امید ختم ہو چکی تھی۔ اور "یورپ کا مردِ بیمار" اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا لیکن دفعتہً اس قوم سے ایک ایسا جوانمرد اُٹھا جس نے دو برس کے اندر ترکوں کو از سرِ نو زندہ کر دیا اور آج ترک دنیا کی

معزز ترین قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔

مصطفیٰ کمال کا باپ سالونیکا میں چُنگی کا محرّر تھا۔ پھر لکڑی کا بیوپار کرنے لگا۔ ۱۸۸۱ء میں اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مصطفیٰ کمال رکھا گیا۔ ابھی بچّہ ہی تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ ماں بہت دیندار لیکن غریب خاتون تھی۔ اس نے مصطفیٰ کمال کو دینی مدرسے میں داخل کر دیا۔ لیکن مصطفےٰ کو بچپن ہی سے فوجی بننے کا شوق تھا۔ چنانچہ وہ خود ہی فوجی اسکول میں داخل ہو گیا۔ اور ۱۹۰۴ء میں فوجی کالج سے لیفٹیننٹ بن کر نکلا۔

نوجوان اور تعلیم یافتہ ترکوں نے سلطان عبدالحمید کے استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے انجمن اتحاد ترقی قائم کر رکھی تھی، مصطفیٰ کمال بھی اس کے رُکن بن گئے لیکن جب سلطان تخت سے اُتار دیا گیا تو انھوں نے اپنی پوری توجہ فوج کی طرف مبذول کر دی، طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں دادِ شجاعت دی

۱۹۱۴ء میں یورپ کی پہلی جنگ عظیم چھڑی جس میں مصطفیٰ کمال کو گیلی پولی میں متعیّن کیا گیا۔ یہاں اُس نے انگریزوں کو پے در پے شکست دی۔ لیکن جنگ کے خاتمہ پر ترکوں اور اُن کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی۔ انگریز قسطنطنیہ پر قابض ہو گئے۔

مصطفےٰ کمال قوم کی اس تباہی پر تڑپ اُٹھا۔ آخر قسطنطنیہ سے ایشائے کوچک پہنچ گیا اور قوم کی رہی سہی فوجی قوّت کو انتہائی محنت اور جفاکشی سے منظم کیا۔ یونانیوں نے انگریزوں کے ایما پر حملہ کر دیا۔ لیکن غازی مصطفےٰ کمال نے سمرنا کے مقام پر اُنہیں شکست دی۔ مسٹر لائیڈ جارج وزیرِ اعظم برطانیہ اِس پالیسی کے ناکام ہو جانے پر مستعفی ہو گئے۔ اور ترک قوم نے لوزان کے مقام پر نیا معاہدۂ صلح کر کے اپنی آزادی محفوظ کر لی۔

صلح کے بعد مصطفےٰ کمال نے سلطانی اور خلافت کو ختم کیا، جمہوریت قائم کی، قوم کو ترقی کے راستے پر لگایا۔ قوم نے اُن کو "اتاترک" کا خطاب دیا یعنی "ترکوں کا باپ"۔ اس عظیم انسان نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ترکوں کی تنظیم کی اور ان کو فتح و کامرانی سے بہرہ ور کر دیا۔ ترک قوم اس رہنما پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں غازی مصطفےٰ کمال اتاترک کا انتقال ہو گیا۔

بلیک بکس

"اگر آپ مستقبل کے اچھے اور نیک نام ادیب بننا چاہتے ہیں تو کوشش کیجیے کہ آپ کا نام بلیک بکس میں نہ آنے پائے۔"

سالگرہ کے ساتھی

کاشف حسن سعید، نہم
یکم جولائی ۱۹۷۷ء
مضمون، سائنس، معلوماتی کتابوں کا مطالعہ۔ ڈاکٹر بنیں گے۔
آر ۸۰۰ ۴، شادمان ٹاؤن - نارتھ کراچی

محمد اکرم صادق بلوچ، دہم
۹ر جولائی ۱۹۷۲ء
بیالوجی، انگلش، مطالعہ کرنا۔ ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔
مولا بخش ولد حاجی دکاندار ائیرپورٹ روڈ بلوچ محلہ گوادر

مظہر حسین وڑائچ، دہم
۲۵ر جولائی ۱۹۷۳ء
قلمی دوستی، نیک بنو نیکی پھیلاؤ، اردو، ڈاکٹر۔ معرفت کلاس انچارج تفاخر محمود ظفر گورنمنٹ ہائی سکول جھینوآں والی گجرات

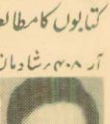

غلام سرور سیالوی، دہم
۱۰ر جولائی ۱۹۶۴ء
انگلش، مطالعہ کرنا، پرخلوص قلمی دوستی، فوجی آفیسر بنیں گے
وکیل والا ۴، ۵، تحصیل ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ

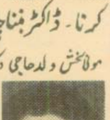

عظیم احمد، ششم
۱۷ر جولائی ۱۹۷۳ء
مضمون، حساب، کرکٹ بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتے ہیں - e-3-۸/۷۹
مہاجر کیمپ، اسلام نگر سعید آباد بلدیہ ٹاؤن کراچی ۵۱

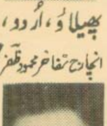

صابر حسین، ہشتم
۲ر جولائی ۱۹۷۴ء
کرکٹ کھیلنا، انگلش کرکٹر بننا چاہتے ہیں۔
محلہ سرہند کالونی نزد جامع مسجد مجددیہ گلی نمبر ۵ ٹوبہ ٹیک سنگھ

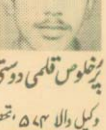

محمد اکرم سیالوی، نہم
۲ر جولائی ۱۹۶۹ء
اسلامیات، عربی، ریڈیو کو لکھنا اور سننا، مطالعہ کرنا۔ پی ٹی سی ٹیچر
۴، ۵ روکیل والا۔ تحصیل ننکانہ صاحب شیخوپورہ

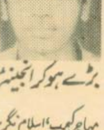

محمد مبین عزمی، دہم
یکم جولائی ۱۹۷۲ء
دینیات، انگریزی، قلمی دوستی کرنا، کمانڈو یا میجر آرمی
عمار یاسر سوسائٹی فیز نمبر ۲، ۱۹۷/۲۷ ملیر سٹی کراچی

محمد امان اللہ خان، نہم الف
۱۵ جولائی ۱۹۷۴ء
مطالعہ کرنا، دوستی کرنا، سائنس، فوجی بننا چاہتے ہیں۔ مکان نمبر سی ۸ ۴۵۸/۲/۲، والس روڈ گاڑی احاطہ سکھر

عبدالمجید، ہشتم سی
سائنس ۴ جولائی ۱۹۷۶ء
سائنس، قلمی دوستی
ڈاکٹر بنیں گے۔ معرفت کریم میوہ سبزی فروش بازار مینا خیل لکی مروت ضلع بنوں

احتشام بٹ، نہم آرٹس
۲۱ جولائی ۱۹۷۳ء
انگلش، قلمی دوستی کرنا
صحافی بننا چاہتے ہیں۔ گلی نمبر ۷، مکان نمبر ۱۲۴، قذافی روڈ مصطفےٰ آباد لاہور

فہیم قمر شیخ، ششم
۱۰ جولائی ۱۹۷۷ء
کرکٹ کھیلنا، حساب،
انجینئر۔ الیف-۱۸۰۰، سٹیزن کالونی جامشورو روڈ، حیدرآباد

محمد فضیل، ہشتم اے
جولائی ۱۹۷۴ء
اردو۔ قلمی دوستی، کرکٹ
پائلٹ بننا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ اسکول، نمبر ۱، ڈاکخانہ چک نمبر ۱۷۵، تحصیل جھنگ غلام جعفر دہم سے فضیل

دلجد محمود عباسی، ہفتم
۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء
ہاکی کھیلنا، مطالعہ، عربی
نیوی آفیسر بننا چاہتے ہیں۔ مکان نمبر ۶۳۲ A ۸ گلی نمبر ۳۶ محلہ موہن پورہ راولپنڈی

افتخار محمود، دہم
یکم جولائی ۱۹۷۴ء
قلمی دوستی کرنا، انگلش
حساب، اسلامیات، آرمی آفیسر۔ کیڈٹ افتخار محمود، جابر ہاؤس پاکستان اسٹیل کیڈٹ کالج بن قاسم کراچی

شہزاد اسحاق امجد، دہم
۲۴ جولائی ۱۹۷۲ء
عربی، حساب، کرکٹ کھیلنا
آنکھ مچولی پڑھنا، الیکٹریکل انجینئر بنیں گے۔
قاسم منزل مکان نمبر ۸، ٹھٹھہ روڈ جنگ شاہی

محمد صلاح الدین، دہم
۲۸ جولائی ۱۹۷۵ء
موٹر سائیکل چلانا، ریاضی
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتے ہیں۔
الحاج ہاؤس اندرون ڈیراوری گیٹ بہاولپور

عمران بشیر، نہم
۷ جولائی ۱۹۷۴
کرکٹ کھیلنا، اسلامیات
اداکار بننا چاہتے ہیں۔ عمران بشیر نور نیو ای رحیم یار خان

نصیر بھٹی، پنجم اے
۲۵ اگست
سائنس، ٹکٹیں جمع کرنا
پائیلٹ بننا چاہتے ہیں۔
۶۸۶ بی۔ فیصل ٹاؤن، لاہور

محمد ضیاء الدین، نہم
۲ اگست ۱۹۷۵ء
آنکھ مچولی اور کہانیاں پڑھنا
سائنس، انجینئر بننا چاہتے ہیں۔
ایل-۳۱۷ سیکٹر ۲/۳۴ کورنگی نمبر ۳، کراچی

اختر گل، نہم
۱۶ اگست ۱۹۷۴ء
کرکٹ کھیلنا، انگلش
پائلٹ بنیں گے۔ معرفت طفیل دکاندار بلال کالونی کیماڑی کراچی

واصف طاہر، پنجم
۱۱ اگست ۱۹۷۸ء
کرکٹ کھیلنا، آنکھ مچولی،
اسلامیات۔ فوجی بننا چاہتے ہیں۔
۲۶۴ ای کوثر ٹاؤن ملیر توسیعی کالونی کراچی

وسیم اصغر اعوان، ششم
۱۵ اگست ۱۹۷۸ء
کرکٹ کھیلنا، حساب
انگریزی، پولیس انسپکٹر بننا چاہتے ہیں۔
۸۳۶/۱ ڈرگ کالونی نمبر ۱۔ کراچی نمبر ۲۵

محمد رمضان صدیقی دہم
۲۵ اگست ۱۹۷۳ء
کہانیاں لکھنا، قلمی دوستی
اسلامیات، اچھا شہری۔ ایم اسلم بک سینٹر نزد مصری مسجد کمہار واڑہ لیاری، کراچی۔

ارسلان الٰہی، چہارم
۱۰ اگست ۱۹۷۸ء
سائنس، کرکٹ کھیلنا
ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔
پیراڈائس پیلس، کراچی

محمد اکمل خان، دہم
۲۰ اگست ۱۹۷۳ء
مطالعہ کرنا، انگلش
انگلش ٹیچر بنیں گے۔
۸/۱ بی ون ایریا ۷۵۹۰۰

جمیل احمد، ہشتم
۲۱ اگست ۱۹۷۶ء
کہانیاں پڑھنا، اردو
فوجی بنیں گے۔ ۱۷/۱-اے ایریا لیاقت آباد، کراچی نمبر ۱۹

ظفراقبال سومرو، دہم
۱۴ اگست ۱۹۷۱ء
معلومات جمع کرنا، کرکٹ
الیکٹرانکس، انجینئر بننا چاہتا ہوں۔
ڈاکخانہ سانڈ براستہ بھاروشاہ۔ ضلع نواب شاہ (سندھ)

مبشر حسین زیدی، نہم
۹ اگست ۱۹۷۴ء
کرکٹ کھیلنا، حساب
فوجی بنیں گے۔ بلاک نمبر ۲۴ ۔ کوارٹر نمبر ۶
R ۔ جی ریلوے لائن کیماڑی۔

یوسف خان، نہم
۱۵ اگست ۱۹۷۴ء
مطالعہ کرنا، انگریزی
ڈاکٹر بنیں گے۔
تحصیل لکی مروت محلہ خونبیداد خیل ضلع بنوں

محمد ارشاد علی، دہم
۱۸ اگست ۱۹۷۲ء
ریاضی، کیمسٹری، کرکٹ کھیلنا
آنکھ مچولی پڑھنا۔ کرکٹر بنیں گے۔
محمد ارشاد علی معرفت ساجد کلینک مین بازار نثار کالونی مربع نمبر ۵۸ فیصل آباد

پرنس محمد شفیق تبسم، ہشتم
۱۴ اگست ۱۹۷۳ء
کاشتکاری، مطالعہ، قلمی دوستی
پنجابی، اردو۔ دکاندار بنیں گے۔
گورنمنٹ مڈل اسکول دکیل والا، آدم پورہ، تحصیل ننکانہ صاحب شیخوپورہ

عباس عبداللہ صدیقی، ہشتم
۱۴ اگست ۱۹۷۴ء
اردو، سائنس۔ کرکٹر
(کھلاڑی) بنیں گے۔
پوسٹ بکس نمبر ۱۶۵۶۷ - کراچی ۵۳

عبدالحمید گجر، نہم
۱۴ اگست ۱۹۷۴ء
اردو۔ پنجابی، پُرخلوص قلمی
دوستی، مطالعہ، شریف شہری
اکرم سیال آدم پورہ ۵۸۹ ۔ تحصیل ننکانہ صاحب شیخوپورہ

معین احمد، نہم
۳ اگست ۱۹۷۷ء
ہر اچھی کتاب کا مطالعہ
انگلش، ڈاکٹر بنیں گے۔ معین احمد ۹/۱
۳/۴ ۔ ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸

جاوید احمد، دہم (الف)
۷ اگست ۱۹۷۳ء
کہانیاں لکھنا، مطالعہ
فزکس۔ انجینئر بنیں گے۔
۵/۸۵۳ لیاقت آباد کراچی نمبر ۱۹ (سندھی ہوٹل)

ساتھیوں سے یہی کہنا ہے کہ اب وہ اپنا تعارف اس انداز سے بھجوائیں
کہ ان کا ماہِ ولادت تعارف میں ضرور موجود ہو۔ یاد رہے کہ تصویر
کے ساتھ کوپن کا آنا بہت ضروری ہے۔ وہ بہت سے ساتھی جو پہلے سے
اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے ان سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی اب
اس نئے طریقے کے مطابق شمولیت اختیار کریں

نام ــــــــــــــــ جماعت ــــــــــــــــ
تاریخ ماہ و سن پیدائش ــــــــــــ مشاغل ــــــــــــ
پسندیدہ مضمون ــــــــــــ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں ــــــــــــ
پتہ ــــــــــــــــــــــــــــــــ

امّی ابّو کا صفحہ

اُمّ رمیصا

انگریزی سیکھنا بُری بات نہیں ہے ۔ انگریزی کیا کوئی بھی نئی زبان سیکھنا قابلِ اعتراض نہیں ۔ یہ بات البتہ ضروری ہے کہ جب کوئی زبان سیکھنے لگیں خصوصاً کوئی بیرونی زبان تو اس بات پر ضرور غور کر لیں کہ کہیں ہم اس زبان کے ساتھ مزید کوئی ایسی چیز تو نہیں سیکھ رہے جو ہماری اخلاقی قدروں کے لیے خطرہ بن سکتی ہے ؟

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم Status Concious سوسائٹی میں رہتے ہیں، ہمیں جو چیز بھی سماجی مرتبے یا بڑائی کی علامت نظر آتی ہے ہم اُسے بغیر سوچے سمجھے اُس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت اپنا لیتے ہیں۔ اب انگریزی زبان کو لے لیجیے، بدقسمتی سے یہ زبان ہمارے پرانے آقاؤں کا ورثہ اور معاشرے میں آج بھی ہماری تکریم کا باعث سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے اس کا جاننا ہر شخص ضروری سمجھتا ہے۔

چلیں یوں ہی سہی یہ زبان ضرور سیکھیے ۔ مگر للہ اس کی خاطر اپنی اخلاقی قدروں کا جنازہ تو نہ نکالیے مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے گھروں میں جب بچّہ ابتدائی الفاظ بولنے لگتا ہے تو مائیں انہیں "ٹاٹا" اور "بائے بائے" کے الفاظ سکھانے لگتی ہیں اور پھر اُن کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر خوشی سے پھولے نہیں سماتیں ۔

ہمارے اسکولوں اور گھروں میں بچّوں کو گڈ مارننگ اور گڈ آفٹرنون یا گڈ بائے وغیرہ جیسے الفاظ ایک تکرار کے ساتھ ہر وقت بولے جاتے ہیں جبکہ انگریزی سیکھنے کی خاطر کبھی ایسی کوئی شرط تو عائد نہیں کی گئی کہ پہلے السّلامُ علیکُم یا خدا حافظ کہنا ترک ہی کر دیں ۔

اَلسّلامُ علیکُم یا خدا حافظ کہنا اسلامی اصطلاحات ہیں جو ہماری بنیادی اخلاقیات کا لازمی حصّہ ہیں۔ آپ کوئی بھی زبان سیکھیں یا اپنے بچّوں کو سکھائیں مگر ان اسلامی اصطلات کو ضرور اپنائے رکھیں ورنہ یہ بات نہ بھولیں کہ بیرونی زبان صرف زبان ہی نہیں ایک مکمّل کلچر بھی ہے ۔ ایک بار اگر بیرونی کلچر کا رنگ ہمارے بچّوں پر چڑھ گیا تو اُسے اپنی ساری قدریں بُری اور دقیانوسی معلوم ہونے لگیں گی ۔۔۔ اس سے پہلے کہ یہ مشکل گھڑی آئے اس سے بچنے کا اہتمام آج ہی کیجیے ۔

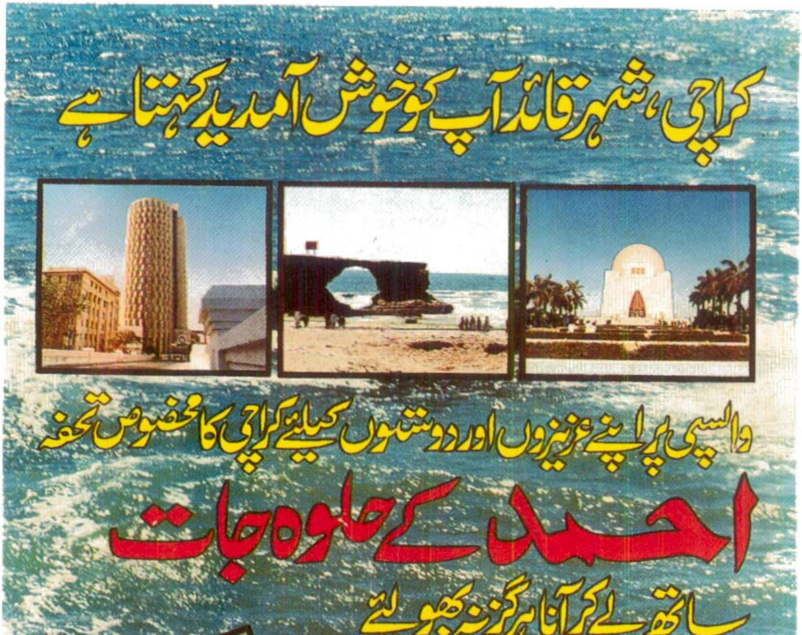
کراچی، شہر قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیے
فریش ویل
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
سوہن ڈیلائیٹ
فریش ویل
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
MASS

REGD. NO. M—266

MONTHLY AANKH MICHOLLE KARACHI